مسلسل اشاعت کے چھپن سال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

665 / جمادی الاول/ثانی ۱۴۴۲ھ جنوری ۲۰۲۱

بیاد
شیخ الحدیث
مولانا عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ

بانی: مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ

سرپرست اعلیٰ: مولانا انوار الحق

مدیر اعلیٰ: مولانا راشد الحق سمیع

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِی الاُمِّیِ وَ علیٰ اٰلِہٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا

جلد نمبر 56
شمارہ نمبر 4
جمادی اول / الثانی ۱۴۴۲ھ
جنوری ۲۰۲۱

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

بانی	باہتمام	نگران	مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق شہید رحمہ اللہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب	مولانا حامد الحق حقانی	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

معاون مدیر: محمد اسلام حقانی

اس شمارے کے مضامین

- نقش آغاز: امریکی صدر جو بائیڈن کی آمد اور ڈونلڈ ٹرمپ کی رخصتی، مولانا فضل ربی ندویؒ کی رحلت .... مولانا راشد الحق سمیع ۲
- والدین کا مقام اور ان کے حقوق .... حضرت مولانا انوار الحق ۴
- دارالعلوم دیوبند کے جشن بہاراں کا منظر (سفرنامہ) .... حضرت مولانا انوار الحق ۸
- حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ذاتی ڈائری .... مولانا عرفان الحق حقانی ۱۳
- سورۃ اخلاص ومعوذتین تفسیری نکات، رموز واسرار .... حضرت مولانا مغفور اللہ ۲۲
- مغربی تہذیب وثقافت کی حقیقت .... مولانا احمد عبید اللہ قاسمی ۳۲
- مولانا ابن الحسن عباسیؒ کی یاد میں .... مولانا محمد بشارت نواز ۳۸
- منشی نول کشور کا مسلم علمی ورثہ کی اشاعت میں اہم کردار .... مولانا محمد اسرار مدنی ۴۵
- تبلیغی مراکز واجتماعات میں لاؤڈ اسپیکر کے بغیر نماز پڑھانے کا مسئلہ .... مفتی محمد راشد ڈسکوی ۴۸
- بخارا، سمرقند اور ترمذ کی علمی، روحانی روداد .... مفتی ذاکر حسن نعمانی ۵۷
- تعارف وتبصرہ کتب .... مولانا محمد اسلام حقانی ۶۱

نوٹ: ادارے کا مضمون نگار کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔
فون نمبر: +92 923 -630435
فیکس نمبر: +92 923 -630922
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
فیس بک ایڈریس: facebook\Alhaq Akora Khattak
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/40 روپے۔ سالانہ -/400 روپے۔ بیرون ملک 40$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق ' مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ منظور عام پریس پشاور

کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز

مولانا راشد الحق سمیع

امریکی صدر جو بائیڈن کی آمد اور ڈونلڈ ٹرمپ کی رخصتی

گزشتہ دنوں امریکہ میں انتخابات کا مرحلہ مکمل ہوا، جس کے نتیجے میں ڈونلڈ ٹرمپ الیکشن ہار گئے اور جو بائیڈن نے نئے صدر کے طور پر حلف اٹھا لیا، ویسے تو امریکہ کا صدر کوئی بھی بنے ان کی پالیسیاں بہت کم تبدیل ہوتی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نت نئے منصوبے بناتے ہیں، بالخصوص وطن عزیز پاکستان کے حکمران بھی ان کے بے دام اسیر ہیں، یہ ڈومور کے اشاروں پر پاکستانیوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں، سیاستدان بننے سے قبل ٹرمپ معروف کاروباری شخصیت تھے اور ریئل اسٹیٹ کے شعبے میں ان کا کافی نام تھا، انہیں ٹی وی اسٹار کے طور پر بھی جانا جاتا تھا، اس کے برے کاموں کی فہرست بھی طویل ہے۔ مجموعی طور پر سابق صدر ٹرمپ ایک بدتمیز اور انتہائی درجہ کا بداخلاق انسان تھا، اس میں نسلی تعصب اور سرمایہ دارانہ تفاخر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ بہرحال یہ امریکہ کا ناکام ترین اور انتہائی متنازعہ صدر رہا، اس نے عالم اسلام اور مسلمانوں کیساتھ سیاسی جنگ لڑی اور چین کے ساتھ اقتصادی محاذ پر برسرپیکار رہا، حتی کہ اپنے اتحادی یورپی ممالک سے بھی الجھتا رہا۔ مسلمانوں کے لئے سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اس نے متنازعہ یروشلم میں امریکی سفارتخانہ منتقل کر کے عالم اسلام اور فلسطینیوں کے دلوں کو زخمی کر دیا، پھر پاکستان کے مقابلہ میں ہندوستانی متعصب حکمرانوں سے یہ بہت قریب رہا۔ الغرض الیکشن میں شرمناک شکست کے بعد اس کے نتائج ماننے سے انکار کیا اور خود کو کامیاب قرار دیا۔ جب کیپٹل ہل میں الیکٹرول ووٹ گنے جا رہے تھے تو ٹرمپ نے اپنے ووٹروں کے ذریعے پارلیمنٹ پر کارکنوں کے ذریعے یلغار کرادی جسے امریکی بغاوت کہتے ہیں، ٹرمپ کے متنازعہ دور اقتدار نے امریکی معاشرے اور اس کے نام نہاد اقتدار کو کئی دھڑوں میں بانٹ دیا ہے جو کام امریکی مخالف ممالک اور قوتیں نہ کرا سکیں وہ ٹرمپ خود کر گئے، جس کے اثرات مدتوں امریکہ اور اس کی پالیسیوں پر مرتب ہوتے رہیں گے۔ اب چونکہ جو بائیڈن نئے صدر منتخب ہوئے اور ان کے انتخابات میں ستر فیصد سے زائد مسلمانوں نے ووٹ ڈالے۔ عالم اسلام کی طرف سے ''توقع'' کی جارہی ہے کہ جو بائیڈن عالم اسلام اور مسلمانوں کیلئے ایک مثبت سوچ والے صدر ثابت ہوں اور وہ غلطیاں نہ دوہرائیں جو کہ ٹرمپ نے کی تھی، خدا کرے کہ عالم اسلام کو اس بار نئے امریکی صدر سے نفرت اور جنگی ایندھن کا کوئی بھی ''تحفہ'' نہ ملے۔ تجربہ تو یہی کہتا ہے کہ وائٹ ہاؤس پر جس پارٹی کا بھی صدر متمکن ہو امریکہ کی پالیسیوں میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں آتی۔

مولانا فضل ربی ندویؒ کی رحلت

مولانا فضل ربی ندوی بھی داغ مفارقت دے گئے، موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی متنفس کو مفر نہیں، گزشتہ سال اہل علم وفضل کی ایک کثیر تعداد ہمیں داغ مفارقت دے گئیں، اگر اسے عام الحزن کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، ان عظیم علمی ہستیوں کے جانے سے علمی مجالس کی رونقیں ماند پڑ گئیں، انہی شخصیات میں مجلس نشریات اسلام کراچی کے بانی وموسس مولانا فضل ربی ندوی بھی تھے، مرحوم ۲۳ دسمبر ۲۰۲۰ کو داعی اجل کو لبیک کہہ دار البقاء کی طرف چل بسے، مولانا فضل ربی ندوی ندوۃ العلماء کے ہونہار فاضل اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے معتمد خاص اور نیاز مندوں میں سے تھے اور پاکستان میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے علوم ومعارف کے ناشر بھی تھے، ۱۹۷۲ء میں مجلس نشریات اسلام قیام حضرت علی میاںؒ کی مشاورت سے عمل میں لایا گیا۔ والد مکرم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ سے بھی والہانہ تعلق، گہرے مراسم اور محبت کا رشتہ تھا، ان کے درمیان خط وکتابت ہوتی رہتی تھی، ان کے مکاتیب حضرت والد شہیدؒ کی کتاب ''مشاہیر بنام مولانا سمیع الحق'' میں شامل ہیں، مولانا شہیدؒ ان کے تعارف میں یوں رقمطراز ہیں ''مولانا فضل ربی ندوی کو مولانا علی میاںؒ کی تصانیف کے پاکستان میں پھیلانے اور طبع کرنے میں خاص شغف ہے، مجلس نشریات اسلام کراچی لکھنو کے بعد پاکستان میں ندویات کا سب سے بڑا ادارہ ہے''

مرحوم اعلیٰ اخلاق، دیانتداری، اخلاص، تواضع وخاکساری کا مجموعہ تھے، ان کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان میں نہ صرف مفکر اسلام مولانا علی میاںؒ کے علوم ومعارف کی خوب نشرو اشاعت کی بلکہ دیگر نامور ہند و پاک کے مصنفین کی کتابوں کو بھی شائع کیا، ان کا ادارہ اب تک سینکڑوں کتب شائع کر چکا ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا ان پر اعتماد تھا اور ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے اور کتابوں کی اشاعت اور خوشی کا اظہار بھی، جس کا اندازہ ان کے درمیان خط و کتابت سے ہوتا ہے، ماشاء اللہ آپ نے اپنی اولاد کی دینی نہج پر رہنمائی اور تربیت کی ہے، چاروں بیٹے حافظ قرآن ہیں، ان میں تین عالم بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا فضل ربی مرحوم کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، ندوۃ العلماء کے سربراہ حضرت مولانا محمد رابع ندوی مدظلہ نے آپ کی وفات کے موقع پر فرمایا کہ مولانا کی وفات پوری ندوی برادری کے لئے ایک صدمہ ہے''، ادارہ ان کے صاحبزادوں خصوصاً برادرم مولانا زبیر صاحب ودیگر پسماندگان سے تعزیت کرتا ہے (آمین)

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط و ترتیب مولانا حافظ سلمان الحق حقانی

والدین کا مقام اور ان کے حقوق

نحمده ونصلى على رسوله الكريم امابعدفاعوذبالله من الشيطان الرجيم
بسم اللّٰه الرحمن الرحيم قال الله تعالىٰ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا الخ

میرے محترم دوستو! اللہ جل جلالہ نے سب سے پہلا حکم توحید کا اتارا ہے اور قرآن کریم کا ورق ورق اعلان توحید سے بھرا پڑا ہے، سینکڑوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت، توحید اور ایک ہونے کو عقل ونقل کے اعتبار سے بہت ہی واضح الفاظ اور غیر مبہم کلمات سے بیان فرمایا ہے، اکثر و بیشتر مثالوں کے ذریعہ سے توحید کی مضمون کو دلنشیں انداز میں بیان فرمایا ہے اور پھر توحید کے اس حکم کے بعد فوراً ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اتارا ہے اور وہ وَوَصَّيْنَا جیسے الفاظ کے ساتھ، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم بھیجا ہے، تاکہ اس میں کسی قسم کا غفلت نہ ہو، پھر آگے ارشاد ہوتا ہے حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا اس کا معنی ہے وہ مشقت وتکلیف جو دوسروں کیلئے اپنی مرضی کے ساتھ برداشت کی جائے، اور كُرْهًا بفتح الکاف، وہ مشقت وتکلیف جو کسی کی دباؤ اور ڈر کیوجہ سے اٹھائی جائے، قرآن کریم میں ارشاد ہے لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ دین میں کسی پر کوئی جبر وتکلیف نہیں ڈالی جاسکتی۔

ماں کا مقام

مطلب یہ ہوا کہ اس درماندہ بے بس و بے کس انسان کو اپنی ماں نے اپنی مرضی کے مشقت کو اٹھاتے ہوئے نو ماہ تک اپنی پیٹ میں رکھا، نو ماہ تک اس تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے اپنی مرضی اور خوشی دکھاتی رہی نہ کہ کسی بیرونی دباؤ یا ڈر کی وجہ سے وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا یہ جملہ مدت حمل اور دودھ پینے کا مدت بتارہی ہے، ائمہ ثلاثہ بچے کی دو سال تک دودھ پینے کو اسکا حق سمجھتے ہیں، جب کہ امام اعظم رحمہ اللہ ڈھائی سال کا زمانہ دودھ پینے کا حق سمجھتا ہے، بہرحال! بچے کو کتنی

مدت تک ماں دودھ پلاتی رہے، یہ ایک فقہی مسئلہ ہے اگر بچہ کمزور ہے ڈاکٹروں نے ماں کا دودھ ضروری سمجھا ہے تو ڈھائی سال تک پلانے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ دو سال تک پلانا بچے کا اپنا حق ہے، دو سال پورا ہونے کے بعد اگر کوئی بچہ کسی اجنبی عورت کا دودھ پی لے تو احتیاطاً حرمت رضاعت ثابت ہونا چاہئے۔

نوجوان اور عمل صالح

پھر آگے اللہ تعالی نے فرمایا حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً جب اللہ کا یہ ضعیف و ناتواں مخلوق قوت شباب کو پہنچا جس کا حد علماء کرام نے اٹھارہ سال بتایا ہے، اور بڑھتے بڑھتے چالیس سال کو پہنچا تو اس بندہ مؤمن نے اپنے اللہ سے التجا کی۔

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الاحقاف:۱۵)

”اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے میرے اوپر کیا ہے (یعنی نعمت ایمان والاسلام) اور میرے والدین پر اور مجھے عمل صالح کی توفیق دیں جس سے تو راضی ہوجائے اور میری اولاد کو بھی نیک صالح بنادیں میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔“

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ائمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، آپ رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک تجارتی سفر میں شام چلے گئے تھے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال تھی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ سال تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی سچائی امانتداری، صدق وصفائی کو دیکھا تو بہت ہی معتقد ہوگئے محبت اور بھی بڑھ گی، اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچ کر نبی مبعوث ہوئے اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۸ سال تھی، آپ نے سب سے پہلے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرکے ایمان

لایا، اور یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، کہ آپ کے تمام خاندان ماں باپ بیوی بچے سب نے اسلام قبول کیا ہے، اس آیت میں رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ میں اس نعمت عظمٰی واسعہ کا ذکر ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ماں باپ اور اولاد کے حصہ میں آئی تھی۔

چالیس سال کی عمر کی دعا

محترم دوستو! بعض مفسرین آیت کا عام مفہوم مراد لیتے ہیں اور معنی یہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان بندہ شباب کو پہنچے اور بڑھتے بڑھتے چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو چاہئے کہ اپنے ایماندار ہونے پر رب کریم کا شکریہ ادا کریں اور اپنے اہل وعیال کی سعادت اور نیک بختی ایمان وعمل صالح کی توفیق ملنے کی بارگاہ خداوندی میں عاجزانہ التجاء کرتا رہے، کیا بعید ہے کہ رب کریم اس کے اہل وعیال کو ایمان وعمل صالح کی سعادتوں سے نوازیں۔

شفارش کا حق

بہرحال! مسلمان بندہ کے ساتھ اللہ تعالٰی کی بہت بڑی مہربانی ہے، ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے جس کو مولانا مفتی محمد شفیع نے تفسیر معارف القرآن جلد سات میں ذکر فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کا حساب آسان فرمادیتا ہے اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو اپنی طرف رجوع وانابت نصیب فرمادیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور جب اسی سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے حسنات کو قائم فرمادیتے ہیں اور اس کے سیئات کو مٹادیتے ہیں اور جب نوے سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالٰی اسکے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کردیتے ہیں اور آسمان میں اسکے نام کیساتھ لکھ دیا جاتا ہے یہ اسیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ تعالٰی کی طرف سے قیدی ہے (بحوالہ مسند احمد)

والدین کی خدمت ترقی کا باعث

میرے محترم دوستو! جب ایک مسلمان بندے کے ماں باپ بھی مسلمان ہو اور پھر حالت کبر بوڑھا ہونے کو بھی پہنچ چکے ہو تو ان کی قدر کرنی چاہئے، ان سے دعائیں لینی چاہئے، ان کی خدمت کرنی چاہئے، ماں باپ کی خدمت کرنے سے دنیا کی زندگی بھی بہترین بنتی ہے اور آخرت کے

درجات بھی نصیب ہوجائے ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ

کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ سلیمان! دریا کی طرف آؤ، میں تجھے کچھ عجائبات قدرت بتادیتا ہوں جب آپ اپنے وزیروں مشیروں، عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اور الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ آصف ابن برخیا کے ساتھ دریا کے کنارے پر نکل گئے آصف برخیا(وزیر) نے دریا میں غوطہ لگایا، توقعرِ دریا سے ایک قبہ نکال لایا، جس کے چار دروازے تھے ایک موتی کا، دوسرا ہیرے کا، تیسرا زمرود کا، چوتھا زبرجد کا چاروں دروازے کھلے تھے اور درمیان میں ایک نوجوان اللہ کی عبادت میں مصروف تھا، سلیمان علیہ السلام نے جب دیکھا تو پوچھا کہ نوجوان تو کب اور کیسے یہاں پر آیا ہے؟ وہ کہنے لگا مجھے تو اور کوئی پتہ نہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تھا کہ میں یہاں پر اتارا گیا ہوں سلیمان علیہ السلام نے تاریخ دیکھا تو فرمایا کہ آپ کو یہاں دو ہزار سال ہوگئے ہیں اور یہ کس وجہ سے ہوا؟ تو فرمایا کہ میرے ماں باپ ضعیف وکمزور تھے، ماں اندھی تھی اور باپ اپاہج تھا میں ان دونوں کا تہہ دل سے خدمت کرتا رہا، جب میرے ماں فوت ہونے لگی اور ستر سال تک میں نے ان کی خدمت کی تو ماں نے میرے لئے دعا کی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو طویل عمر دے کہ وہ تیرے عبادت میں گزار دے، پھر جب میرا باپ فوت ہونے لگا تو اس نے بھی ایک دعا کی اے اللہ! میرے بیٹے کو ایسی جگہ میں عبادت کی توفیق دیدے جسے کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔

یہ دونوں دعائیں قبول ہوئی جب میں والد کی جنازے پر سے واپس آیا تو اس دریا کے کنارے پر آتے ہی میں اس خوبصورت قبہ میں تھا اور آج تک اسی میں اللہ تعالی کی عبادت کررہا ہوں ،سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، کھاتے کیا ہو؟ فرمایا ایک سبز رنگ کا پرندہ انسانی سر کے برابر ایک میوہ روزانہ لاتا ہے اس میں دنیا کی تمام نعمتوں کا مزہ ہے اور وہ کھا کر میرا سارا خوف وڈر ختم ہوجاتا ہے اور میں خوش وخرم رہ کر اللہ کی عبادت کرتا رہتا ہوں یہ ہے ماں باپ کی خدمت کا صلہ اللہ ہم سب کو والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(قسط ۶)

شیخ الحدیث مولانا انوار الحق صاحب
مہتمم جامعہ حقانیہ و نائب صدر وفاق المدارس

دارالعلوم دیوبند کے عظیم جشن بہاراں کا ایک منظر

صد سالہ اجتماع دارالعلوم دیوبند کے لیے سفر کی دلچسپ روئیداد

احقر اور برادر بزرگ مولانا سمیع الحق شہیدؒ اپنے والد گرامی شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور قائد ملت اسلامیہ مولانا مفتی محمودؒ کی معیت میں دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ منعقدہ مارچ ۱۹۸۰ء میں شرکت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا تھا۔اس وقت جو مناظر،اکابرین کی زیارت و ملاقات،فضلاء دیوبند بالخصوص حضرت والد صاحب کی دستار بندی،اور علماء و اولیاء کی صحبتیں نصیب ہوئیں،اپنی ڈائری میں طالب علمانہ رپورٹ لکھتا رہا۔ زعمائے ملت کے خطبات بھی سنے،حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کا مفصل خطبۂ استقبالیہ،مولانا سید ابوالحسن ندوی کا انقلابی خطاب،مولانا مفتی محمودؒ کی بصیرت افروز تقریر،والد گرامی شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا مختصر مصلحانہ بیان اپنی تمام اداؤں کے ساتھ اب تک دل و دماغ کی سکرین پر ثبت ہے۔دنیا بھر سے آئے ہوئے ملتِ اسلامیہ کے زعماء کے خطابات،مسئلہ فلسطین،اسلامی ممالک کی رفتار ست اور انگریز کی دلچسپی کے وجوہ،بین الاقوامی حالات،دارالعلوم دیوبند کے قیام کا پس منظر،تحریک حریت میں علماء حق کی قربانیاں،دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کا صد سالہ مجاہدانہ کردار،برطانوی حکومت کے ظلم و استبداد کے واقعات اور برصغیر میں علماء کرام اور زعمائے اہل حق کی انگریز دشمن سرگرمیوں کی تفصیلات اور ان کے افکار عالیہ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا۔زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے امت کی علمی و دینی اور ملی قیادت کو لاکھوں کے مجمع سے ایک سٹیج میں یکجا خطاب کرتے ہوئے سُنا۔اس موقع پر جو کچھ میں نے دیکھا اور جس طرح سمجھا اس وقت کے مناظر اور حالات کے مطابق اپنی ڈائری میں محفوظ کرلیا تھا۔حسن اتفاق سے وہی ڈائری سامنے آگئی تو پُرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔دل میں خیال آیا کہ اکابر کا تذکرہ ہے،مبارک اجتماع کی دلچسپ علمی اور روحانی روئیداد ہے اسے بھی امت کے حضور پیش کردیا جائے،مگر یاد رہے کہ اس تحریر میں مقالہ نویسی والا تسلسل اگر چہ نہیں ہے،البتہ اس کی حیثیت ایک تاریخی یادداشت کی ضرور ہے جس سے تاریخ کے طلباء کو بھی بہت سا مواد مل سکتا ہے،پھر واقعات و حکایات کی چاشنی بھی ہے،اور ان کی روحانیت کی مٹھاس بھی،علماء اولیاء،صلحاء،فضلاء اور اہل ایمان کی گہما گہمی بھی ہے،اور نصائح و مواعظ کی دلآویزی بھی،اور دارالعلوم دیوبند کے جشنِ صد سالہ کی ایک خوبصورت تصویر بھی۔اس کی اشاعت سے تاریخ بھی محفوظ ہوجائے گی اور قارئین پڑھیں گے تو حظ وافر حاصل کریں گے انشاءاللہ۔

سہارنپور کا سفر

تقاریر کا سلسلہ جاری تھا بارہ بج چکے تھے حضرت والد صاحب اور مفتی صاحب اسٹیج سے واپس جانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ جب وہ کار سے اپنے جائے اقامت کی طرف روانہ ہوئے تو ہم بھی سہارنپور جانے کیلئے پنڈال ہی سے اڈہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ ان دنوں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے گاڑیوں کا اڈہ دیوبند قصبہ کا اپنے پرانے اڈہ سے جلسہ گاہ کے قریب منتقل ہو چکا تھا۔ کیونکہ ہزاروں سواریوں کا اترنا اور چڑھنا بھی ادھر ہی سے تھا۔ ہم پانچوں ساتھی یعنی ناظم صاحب، حافظ لطف الرحمٰن ،ممتاز خان، اجمیر اور بندہ ایک بس میں سہارنپور جانے کیلئے بیٹھ گئے ۔ دیوبند سے سہارنپور کا فاصلہ تقریباً ایک گھنٹہ میں طے ہوا۔ سہارنپور کے گھنٹہ گھر پہنچ کر اتر گئے اور وہاں سے دو سائیکل رکشوں میں بیٹھ کر سلف صالحین کی یادگار مدرسہ مظاہرالعلوم کی طرف روانہ ہوئے ۔

سہارنپور بھی کافی بڑا شہر ہے ۔ پررونق بازار اور گلیاں ہیں ۔ وقت چونکہ کم تھا شام سے پہلے واپس دیوبند پہنچنے کا ارادہ تھا اس لئے مدرسہ مظاہرالعلوم پہنچتے ہی مسجد میں وضوء کیا اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کر کے مختصراً مدرسہ کا چکر لگایا۔ دیر ہو جانے کی خوف سے کسی سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا ،مدرسہ سے نکل کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے کتب خانہ اور مکان کی طرف گئے ۔ مدرسہ کی عمارت سے یہاں بھی روحانی ودینی انوار ٹپک رہے تھے اور ایک قلبی سکون تھا۔ اس مدرسے کی بھی شاندار تاریخ ہے اور ہند میں علوم دینیہ کی اشاعت میں اس نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

مدرسے سے نکل کر واپس دیوبند جانے کا ارادہ تھا مگر فیصلہ یہ ہوا کہ مدرسہ سے بس سٹینڈ تک کا راستہ پیدل طے کر لیں تا کہ سہارنپور کا شہر اور بازار بھی دیکھنے کا موقع مل سکے ۔ بازار صرافان کے قریب ایک گلی میں حافظ لطف الرحمٰن کا دوست رہتا ہے اسی سے ملنے کیلئے وہ جا رہے تھے تو ہم بھی اس کے ساتھ اس مکان پر گئے اور یہاں آدھ گھنٹہ گزارنے اور چائے اور دیگر مشروبات پینے کے بعد بازار سے نکل کر کچھ خریداری کی اور پھر بس سٹینڈ آ کر دیوبند جانے والی ایک بس میں بیٹھ گئے اسی اڈہ میں کئی کنڈکٹر گنگوہ، نانوتہ اور تھانہ بھون جانے کی آوازیں لگا رہے تھے ۔

شوق تو تھا کہ اکابر کے مزارات اور ان کے مکانات اور قصبات دیکھنے جائیں مگر عصر کا

وقت ہوجانے کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ ایک گھنٹہ بعد بس دیوبند پرانے اڈہ پہنچ کر رک گئی۔ راستہ میں جلسہ گاہ کی طرف جب دیکھا تو اب مجمع منتشر ہوچکا تھا۔ وہ چہل پہل نہ تھی جو صبح کے آخری اجلاس اور اس سے پہلے دوتین دنوں سے تھی۔ اب قصبہ دیوبند میں وہ ہجوم جسمیں تل دھرنے کیلئے جگہ نہ ملتی تھی۔ لاکھوں ہندوستانیوں کے واپس جانے کی وجہ سے ختم ہوچکا تھا صرف ہزاروں کی تعداد میں غیرملکی لوگ موجود تھے جن میں سے بعض کوکل یعنی ۲۴ مارچ اسپیشل ٹرینوں سے واپس جانا تھا اور بعض اس انتظار میں تھے کہ ویزے وغیرہ کا بندوبست ہونے پر دیگر شہروں میں جائیں گے۔ اڈہ سے واپس دارالعلوم کے طرف آتے وقت راستہ میں برادرم مولانا سمیع الحق اور شفیق الدین فاروقی جو سہارنپور جارہے تھے ملے انہوں نے کہا ہم رات سہارنپور گزاریں گے اور والد صاحب حضرات اکابر واساتذہ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کیلئے بیٹھے ہوئے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نے دارالعلوم دیوبند میں گھومنے کی آرزو پوری کرلی

آپ لوگ مزارات جاکرفاتحہ خوانی کے بعد اُن کو مکان لے چلیں ۔ والد صاحب کو دیوبند آتے ہی شوق تھا اور باربار فرمارہے تھے کہ کسی وقت رش کم ہونے پر پرانی یادوں کو تازہ کرنے کیلئے دارالعلوم کے احاطہ میں چکرلگاؤنگا، دودن تو انتہائی ہجوم کی وجہ سے یہ ناممکن تھا کیونکہ دارالعلوم کے ہردیوہیکل دروازوں پرداخل اور خارج ہونے والوں کا ہروقت اتنا ہجوم رہتا کہ جوان شخص کیلئے بھی اندر داخل ہونا آسان نہ تھا چہ جائے کہ حضرت والد صاحب اندرداخل ہوکر گھومتے۔ بہرحال اب جب سہارنپور سے واپس پہنچے تو معلوم ہوا برادرم مولانا سمیع الحق نے عصر کے وقت والد صاحب کو لیجاکر وہاں گھومنے کی خواہش پوری کردی ہے۔

چنانچہ مزارات سے حضرت والد صاحب کولیکر اسعد مدنی کے مکان پر لے گئے۔ ہم لوگ اپنے کمرے کو چلے گئے۔ اب مسئلہ دہلی وغیرہ کے ویزوں کا تھا اسی دوتین روز کے دوران مولانا اسعد مدنی متعلقہ حکام سے اسی سلسلہ میں بات چیت کرچکے تھے اور اس دن رات کوانہوں نے اعلان فرمایا کہ صبح سویرے یعنی ۲۴ مارچ کوویزے وغیرہ کا عملہ دیوبند میں جامعہ طبیہ کے عمارت میں اپنا عارضی دفتر لگواکر جوجہاں چاہے درخواست بمع پاسپورٹ دینے کے بعد ایک شہر یا جگہ کا ویزا حاصل کرسکتا ہے۔ رات آرام سے گزارنے کے بعد صبح سویرے اپنے پاسپورٹ وغیرہ لیکر جامعہ طبیہ میں جہاں پاسپورٹ وغیرہ کے افسران بیٹھے تھے ان کے پاس پاسپورٹ جمع کردیے۔

دہلی کا سفر

اس دوران جب مولانا اسعد مدنی کے مکان پر حاضری کی تو معلوم ہوا کہ نو بجے کے قریب حضرت والد صاحب وحضرت مفتی صاحب دہلی جانے کیلئے روانہ ہونگے کیونکہ اس دن شام پانچ بجے جمعیۃ العلماء ہند کی جانب سے ان اکابر کی اعزاز میں دعوت استقبالیہ دینا تھا جس میں شرکت کیلئے مولانا اسعد مدنی قریباً اکثر غیر ملکی واردین کو دعوت دے چکے تھے۔ نو بجے حضرت والد صاحب، مفتی صاحب، برادرم محترم مولانا سمیع الحق، مولانا اجمل خان لاہور ومولانا فضل الرحمن دیگر اکابر دہلی کیلئے روانہ ہوگئے۔

ان سے فارغ ہوکر پھر ہم نے ویزہ وغیرہ کیلئے متعلقہ دفتر کا چکر کاٹنے شروع کردیے کیونکہ ارادہ یہ تھا کہ اگر ویزہ وغیرہ کا بندوبست جلدی ہوگیا تو ہم لوگ بھی آج دہلی پہنچ کر اس استقبالیہ میں شرکت کریں گے۔ مگر متعلقہ دفتر جس میں سینکڑوں پاسپورٹ ویزوں کے لئے جمع ہوچکے تھے کے عملہ نے غیر مستعدی اور ویزہ حاصل کرنے والے مہمانوں کی بدنظمی اور بار بار شو مچانے اور عملہ کے کام میں مخل ہونے کی وجہ سے رات سات بجے تک ہم میں سے کسی ساتھی کا ویزہ بھی نہ لگ سکا۔ جب شام ہوگئی تو سارے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اگر اب ویزہ مل بھی گیا تو رات سکون سے دارالعلوم ہی میں گزار کر صبح سویرے دہلی جائیں بعض ساتھیوں کے ویزے رات نو بجے مل گئے اور ایک دو ساتھیوں کو نصف شب کے بعد تقریباً تین چار بجے ویزے مل گئے، تقریباً ساری رات عملہ ویزوں کے کام میں مصروف رہا اور ویزہ کے منتظر حضرات ساری رات اپنے اپنے پاسپورٹوں کے حصول کیلئے جاگتے رہے۔ فیصلہ سارے ساتھیوں نے یہ کیا کہ صبح امرتسر کی طرف سے آنے والے جنتا ایکسپریس کے ذریعے دہلی کا سفر کیا جائے۔ چنانچہ رات ہی سے دو سائیکل رکشے والوں کو کہہ دیا کہ ساڑھے چار بجے آکر ہم کو جگادیں۔ دن کو پاسپورٹ اور ویزوں کے حصول میں ہمارے ساتھی کافی تھک چکے ہیں اس لئے اس عظیم دینی وروحانی ادارہ میں یہ آخری رات پورے سکون واطمینان سے گزار کر صبح ساڑھے چار بجے چلے جانے کیلئے جاگ اٹھے۔ سامان وغیرہ باندھا گیا اور دو رکشوں میں سامان لاد کر سٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔

ہندوستان کی خود انحصاری

صبح چھ بجے گاڑی سٹیشن پہنچی۔ ہندوستان میں گاڑیوں کی یہ کیفیت ہے چونکہ ہندوستان آبادی میں چین کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ اور باہر سے گاڑیوں اور بسوں کی درآمد مکمل بند ہے۔ سارا انحصار اپنے ہی بنائے ہوئے بسوں اور موٹروں پر ہے۔ اور فی الحال یہ مصنوعات کثرت سے نہیں ہیں اس لئے آمدورفت کا سارا زور ریل گاڑیوں پر ہے۔ ہر گاڑی میں اتنا رش اور ہجوم کہ بیٹھنا کیا دروازہ میں گھسنا بھی ایک عظیم کارنامہ ہے۔ ہم میں سے ہر آدمی اپنا اپنا سامان اٹھا کر گاڑی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑتے رہے۔ ہر کمرے کا دروازہ بند تھا اور اندر کے لوگ اور ان کا سامان دروازہ کھلنے کیلئے رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ سارے ساتھیوں کو مایوسی ہوئی کہ گاڑی سے جانا ناممکن ہے اور بسوں میں سے دہلی کیلئے جانا ہوگا۔ کیونکہ یہاں اسٹیشن پر موجود لوگوں میں کچھ کی نہیں آئی۔ بالآخر بعض ساتھیوں نے بالکل گاڑی کے آخری حصہ میں ایک ڈبہ کا دروازہ کھلوا کر گھسنا شروع کردیا اور ہم سب نے اپنے اپنے سامان اور خود کو اسی ڈبہ کے دروازوں کے اندر فرش پر ہی بیٹھنے کیلئے اور بعض نے کھڑے ہونے کیلئے جگہ پیدا کردی۔ یہاں سے دہلی کا سفر ۹۲ میل تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے جارہی تھی مگر میرٹھ وغیرہ جیسے سٹیشنوں اور بعض جگہ کرسیوں کی وجہ رکھنے سے گاڑی چار گھنٹہ اور دہلی کے حدود شاہدرہ دہلی میں داخل ہوگئی۔ دہلی کے قریب دیکھا کہ شہر کے اندر اور باہر سے بے پناہ خنزیر تھے۔ یہاں خنزیر بغیر کسی روک ٹوک کے پھرتے ہیں۔ گلیوں اور کھیتوں میں بلاچوں وچرا اس چرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ نہ معلوم ہندوؤں کے مذہب میں ان کا اس طرح آزادی سے نقل وحرکت کرنا کس بنا پر تھا۔ قریباً دس بجے گاڑی دہلی اسٹیشن پہنچی۔ ہم گاڑی سے اتر کر اسٹیشن سے باہر نکل آئے۔ منزل چونکہ جمعیۃ العلمائے ہند کا دفتر تھا جہاں پہنچنے کیلئے مولانا اسعد مدنی نے آئی ٹی او یعنی انکم ٹیکس آفس بہادر شاہ ظفر روڈ کا پتہ دیا تھا۔ دو تانگے کرایہ پر دفتر تک حاصل کر لئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ راستہ کی مناسبت اور طوالت سے تانگہ بانوں نے جو کرایہ بتایا تھا اتنا زیادہ خرچہ نہ تھا۔ دہلی بھی کراچی کی طرح ہنگامہ خیز، ٹریفک کی کثرت اور بڑے بڑے سڑکوں اور عمارتوں والا طویل وعریض شہر ہے۔ (جاری ہے)

(قسط ۸۱) مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی

استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ کی ذاتی ڈائری

۱۹۸۸ء کی ڈائری

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ و اقارب، اہل محلہ و گردو پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے، آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ، تحقیقی عبارت، علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ، اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزار ہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوق مطالعہ استفادہ کرسکیں۔تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں۔یاد رہے کہ یہ ڈائریاں ایک طرف حضرت مولانا عبدالحقؒ اور شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق شہید کے احوال وسوانح کے لئے بھی ایک بنیادی واہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں تو دوسری طرف دارالعلوم حقانیہ کی تاریخ اور شب و روز بھی اس میں کافی حد تک محفوظ ہو چکے ہیں...... (مرتب)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ (بھیرہ)

حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات پر میری دلی تعزیت قبول کیجئے۔

شبیر نقوی (کراچی)

حضرت مولانا تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد تھے، ممتاز عالم دین اور مقبول استاد تھے، اس موقع پر دلی تعزیت قبول کیجئے۔

پیر سید احمد گیلانی آفندی (چیئرمین اتحاد کونسل افغان مجاہدین پشاور)

مولانا مرحوم نے اسلام کی خاطر جو خدمات انجام دی ہیں وہ ہمیشہ ناقابل فراموش رہیں گی۔اس صدمہ جانکاہ پر میری دلی تعزیت قبول کیجئے! اللہ تعالیٰ آپ کو صبر کی توفیق عطاء فرمائے۔

محمد بلیغ شیرازی (لاہور)

آپ کے والد محترم کی وفات کا سن کر بے حد صدمہ پہنچا۔

بدرالمشائخ مولانا فضل الرحمٰن مجددی (لاہور)

آپ کے عزیز ترین والد کی اچانک وفات پر بے حد صدمہ پہنچا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو ابدی سکون سے نوازے اور آپ کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

ایم اے زبیری (ایڈیٹر بینس ریکارڈر، کراچی)

آپ کے نامور والد کی وفات کے بارے میں سن کر بے حد صدمہ پہنچا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو مغفرت سے نوازے اور آپ کو اس نقصان پر صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند انڈیا)

ریڈیو پاکستان کے ذریعہ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالحقؒ کی وفات کی خبر سے گہرا صدمہ ہوا۔ حضرت مولانا کو اور آپ کو دارالعلوم سے فرزندگی وابستگی وعقیدت کا جو دیرینہ اور بے پناہ تعلق رہا ہے اور اس کی وجہ سے ہم خادمان دارالعلوم کو بھی مولانا رحمہ اللہ اور آپ سے جو محبت رہی ہے اس بنا پر یہ سانحہ اپنا گھریلو سانحہ معلوم ہوتا ہے اور دل و دماغ پر اس کا بڑا اثر ہے۔

حضرت مولانا ایک بلند پایہ محدث، زبردست عالم، مدرس، خطیب، مصنف، صاحب دل بزرگ اور ساتھ ہی عصر جدید اور اس کے تقاضوں سے بڑی آگہی رکھتے تھے، وہ ہمارے علماء میں اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے ممتاز مقام کے حامل تھے۔ اپنے بزرگوں کی اس پیڑھی سے تعلق رکھتے تھے، جن کے علم وفضل وتقویٰ پر ہمیں بجا طور پر ناز ہے، اور جن کی بصیرت وفراست، فکر وعمل، سیرت وسلوک، للٰہیت اور اخلاص، ایمان ویقین واحتساب کی کیفیت، دین کا درد اور اپنے قول وعمل کے ذریعے دعوت الی اللہ کا جوش جنوں ہمارے لئے مایہ نازش وافتخار اور منارۂ نور ہے اور جن کے یکے بعد دیگرے اٹھتے جانے اور اپنے بعد کسی بھی طرح سے نہ پُر ہونے والا خلا چھوڑ جانے کا غم ہمارے لئے جاں گسل ثابت ہو رہا ہے۔ افسوس کہ ہند و پاک بلکہ پورا برصغیر اب اپنے ان بزرگوں کے وجود سے محروم ہوتا جا رہا ہے، جن کے نفس گرم کی تاثیر، دینی کوششوں کے لئے رگ حیات تھی، اور جن سے پژمردہ وافسردہ دلوں کی آبیاری ہوتی تھی، لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے؟

دعا ہے کہ خدائے کریم حضرت مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور دین وملت

کے اس مخلص خادم کو اپنی خاص رحمتوں سے نوازے۔ آپ کو اور جملہ افراد خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے ، آمین۔ دارالعلوم دیوبند سے حضرت مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرایا جارہا ہے۔ خدام دارالعلوم کو شریکِ غم تصور فرمائیں، اور دعوات صالحہ سے یاد فرماتے رہیں۔

صاحبزادہ محمد ازہر (سجادہ نشین بکوٹ شریف، کوہالہ، مری)

حضرت نے اپنی ساری زندگی خدمتِ اسلام میں گذاری، اسمبلی ہو یا منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق وصداقت کی آواز بلند کی، اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل ۔ حضرت موصوف کا میرے والد مرحوم مولانا پیر محمد حقیق اللہ کا قریبی تعلق رہا۔ دیوبند سے لے کر سرحد اسمبلی تک دونوں اکابر ایک ساتھ رہے۔ آپ سے بجا طور پر توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنے والد مرحوم کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے حق وصداقت کا علم بلند کریں گے۔

مولانا غلام ربانی (نائب صدر جمعیت علماء اسلام، رحیم یار خان)

مولانا دینی تحریکوں کے لئے بہت بڑا سہارا تھے، وہ اسلاف کا نمونہ تھے، کیا عرض کروں میں بدقسمت انسان ہوں، جو جنازہ سے محروم رہا، بیمار ہوں اور سفر کے قابل نہیں ہوں، مولانا مرحوم اور میں ایک سال امروہہ اور ایک سال دیوبند رہے۔ طالب علمی کے زمانہ کے ان کے اخلاق یاد آتے ہیں کیا اعلیٰ اخلاق تھے، اللہ تعالیٰ آپ کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔

اتحاد المجاہدین (برما)

صدر ضیاء الحق کا صدمہ ختم نہیں ہو پایا تھا کہ ہم دوسرے صدمہ سے دو چار ہوئے۔ عظیم مجاہد رہنماء سے ہاتھ دھونے کے فوراً بعد اسی مجاہد اعظم کا بھی جو ملی اور قومی معاملات میں رہنما تھے، حضرت العلامہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی سے بھی محروم ہوگئے، جو واقعۂ قوم وملت کے لئے نا قابلِ تلافی نقصان ہے۔ حضرت مولانا کی دینی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، جس کی زندہ مثال ان کے ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ہیں جو اکناف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی بیسیوں تصانیف ہیں جس سے دنیا کے ہر خاص وعام استفادہ کررہے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مرحوم کو اللہ میاں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ اتحاد المجاہدین کے دفتر میں دوسرے دن مولانا کیلئے قرآن خوانی کا انتظام کیا گیا، اور ہمارے مجاہدین ساتھی جو اس وقت خوست میں زیر تربیت ہیں مولانا کے جنازے

میں شریک ہوئے تھے۔

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

اگست میں چوتھی سالانہ ختم نبوت کانفرنس لندن کے لئے برطانیہ جانا ہوا۔ واپسی حجاز مقدس عمرہ کے لئے حاضری ہوئی، مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰہ والسلام میں نماز کے بعد ایک دوست نے یہ افسوس ناک اطلاع دی کہ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی دل کو سخت دھچکا لگا، دل گرفتہ لئے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں جاکر خبر عرض کی اور ان کی بخشش ومغفرت کی دعا۔ اصحاب صفہ کے تھڑا پر تلاوت کرکے حضرت مرحوم کو ایصال ثواب کیا، مکہ مکرمہ واپسی پر آپ کی طرف سے طواف کی سعادت بھی حاصل کی۔ ان کی وفات علم وعمل کی وفات ہے، یہ صدمہ صرف آپ حضرات کا صدمہ نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کیلئے جانکاہ سانحہ ہے، اللہ رب العزت پوری امت کو اس صدمہ اور نقصان کی تلافی کی توفیق مرحمت فرمائیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام خدام آپ حضرات کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ رب العزت کروٹ کروٹ ان پر رحمت فرمائیں آمین بحرمت النبی الامی الکریم۔

محمد عبدالمعبود صدیقی (چیرمین اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن آف پاکستان)

دین کے تعلق میں آپ کی خدمات سے ہم سب آگاہ ہیں، لیکن والد کا سایہ اٹھ جانے سے جو کمی آپ محسوس کررہے ہوں گے، اس کا بھی احساس ہے، آپ یقین فرمائیں کہ ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

مولانا مفتی محمد ضیاء الحق دہلوی (بانی ومہتمم جامعۃ الصالحات کراچی)

حضرت والد بزرگوار مرحوم ومغفور کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر اِنا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا چارۂ کار بھی کیا ہے، وہ وقت جب میں حاضر ہوا تھا اور حضرت نے خوش ہوکر پانچ سو روپے عطا فرمائے تھے میں با اصرار واپس کرتا رہا اور عرض کرتا رہا کہ نذرانہ تو مجھے پیش کرنا چاہئے تھا اور میں خالی ہاتھ چلا آیا۔ فرمایا تم اتنی دور سے چل کر ملنے آئے یہ کیا کم ہے، پھر بھی دوسو روپے دئے جو میرے پاس تبرکاً رکھے ہیں۔ بزرگوں کی کیا بات تھی کیسے شفقت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ مرحوم جہاد افغانستان کے روح رواں تھے۔ مدرسہ میں قرآن خوانی ہوئی ایصال ثواب کیا گیا معلمات اور طالبات نے دعا کی۔

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر

موت تو سبھی جاندار مخلوق کے لئے حق اور یقینی ہے، البقاء للہ تعالیٰ کے کاموں میں کیسے دخل ہوسکتا ہے مگر بعض حضرات کے وجود خالص خیر و برکت ہوتے ہیں اور خصوصاً جب کہ البرکۃ مع اکابرکم حدیث ہے (مستدرک) حضرت کا وجود نہ صرف پاکستان میں بلکہ ملحقہ علاقوں میں بھی منبع الخیر تھا۔ دینی سیاسی اور اخلاقی اقدار کا سرچشمہ، حق گوئی اور بے باکی اور ہمتوں کا پہاڑ تھا اور نمونہ اکابر تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ حضرات کے لئے تو یہ سال عام الحزن ہے کہ پہلے والدہ ماجدہ مرحومہ کا مشفقانہ سایہ سر سے اٹھا، اب شیخ الحدیث مرحوم و مغفور کا پدرانہ اور مشفقانہ سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ مرحومین اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محمد حبیب اللہ مختار (جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

فقد ادهشنی نبأ وفات العالم الكبير الوالد الجليل المحدث الفقيه العالمه الشيخ عبدالحق فرحم الله الراحل العظيم ...... وافاض عليه من شابيب رحمته رزقكم جميعاً الصبر اولسلوان تعز فلا شی علی الارض باقيا، ولا وزر مما قضى الله واقعا، ان مصابكم هذه، ليس لكم وحدكم ولا لعائلتكم او جامعتكم وحدها بل هو مصاب للجامعات والعائلات جميعاً...... واننا جميع اساتذة الجامعه وطلابها نشارك معكم فی هذه الملة الفاجعه۔

عارف پیرزادہ (قائد پنجاب قومی محاذ)

میں آخری بار آج سے تقریباً ۴ سال پیشتر ان کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا تھا تو کمال مہربانی اور شفقت سے پیش آئے، باوجود تکلیف کے مجھے بیٹھ کر شرف باریابی عطا کی۔ میرے لاکھ کہنے پر بھی دراز نہ ہوئے اور خاص طور پر جب انہیں معلوم ہوا کہ میں مولانا عبدالعزیز فاضل دیوبند کا بیٹا ہوں تو انتہائی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، میں ان کی مہربانیوں کو فراموش نہیں کرسکتا۔

نیشنل لیبر فیڈریشن آف پاکستان

شام کو ہمارے نیشنل لیبر فیڈریشن آف پاکستان کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں شیخ الحدیث مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا، دعا اور تعزیت کی قرارداد پاس کی گئی میں اور میرے تمام ساتھی آپ کے ساتھ اس دکھ درد میں برابر کے شریک ہیں۔

قاضی کفایت (سیکرٹری جنرل کاروان توحید وسنت پاکستان)

بروقت اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے جنازہ میں شرکت سے محرومی رہی ان شاء اللہ کل جمعہ

کے اجتماع میں حضرت مرحوم کیلئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرایا جائے گا مرحوم شیخ الحدیثؒ نے ساری زندگی درس حدیث دیا۔ علوم نبویہ کے امین اور حقیقی وارث تھے، ادارہ اور بندہ اور تنظیم آپ کے ساتھ غم میں برابر شریک ہیں۔

چوہدری کمال لدین کمال (کسان بورڈ پاکستان)

حضرت مولانا مرحوم کی ذاتِ گرامی اس دور میں آیت من اللہ تھی بلاشبہ جید علماء ان کی تربیت گاہ علمی سے فارغ ہوکر نکلے اور آج وہ دنیا بھر میں دین کی خدمت کررہے ہیں، افغانستان کے بیشتر مجاہدین اور ان کے رہنما ان کی پاک صحبت اور علمی درسگاہ سے جذبۂ جہاد لے کر نکلے ہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کو قربِ خاص میں جگہ عطا فرمائے۔

مولانا فضل منان (فاضل دیوبند یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور)

قیامت صغریٰ کے دن میں بھی بیمار جان کے ساتھ نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے پہنچا تھا، اور جن واقف صاحبان نے مجھے میری کیفیات کے ساتھ دیکھا تو کہنے لگے اب آپ کا جنازہ کون اٹھائے گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا اور جنازہ کا ثواب حاصل کرکے لوٹا، خیال تھا کہ اگلے دن یا اس سے اگلے دن یہ عرض کرنے حاضر ہوں گا کہ جناب عالم فاضل انسان ہیں اور کچھ عرض کرنا بے سود ہے۔ مگر پھر بھی رواج کے مطابق ہزاروں نے صبر کی تلقین کی ہوگی۔ لیکن میں تو عرض کروں گا کہ آپ روئیں اور خوب روئیں اور اتنا روئیں کہ آنکھوں کے آنسو بالکل خشک ہو جائیں۔ اس سے بڑا حادثہ کیا ہوگا اور اس سے زیادہ قریبی رشتہ کیا ہوگا ہم غیروں کے آنسو اب تک جاری ہیں۔ حضرت کی ذات اور ان کے برکات اتنے معمولی نہیں تھے، جس کے حرمان کے باعث سنگدل سے سنگدل انسان بھی موم نہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ برداشت کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب حکیم محمد سعید صاحب چیئر مین ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی

اس بار کہ میں پشاور سے راولپنڈی آرہا تھا، اکوڑہ خٹک میں کھٹک گیا بڑا دل چاہا کہ حضرت محترم ومکرم شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر طالب دعا ہوں، مگر وقت نہیں لیا تھا زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا۔ کیا معلوم تھا کہ یہ مینارۂ نور اور ہماری دنیا کے یہ عظیم شیخ اب ہمارے درمیان نہیں رہے گا اور تاریکیاں چھاجائیں گی انا للہ وانا الیہ راجعون ، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ عطا فرمائے اور ہم سب کو توفیق صبر جمیل ۔

پروفیسر غفور احمد (نائب صدر جماعت اسلامی پاکستان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی وفات پر پورا ملک سوگوار ہے ان کا بدل نظر نہیں آتا۔ پوری زندگی اسلام کی تبلیغ ،قوم کی بے لوث خدمت اور علم کی شمعیں روشن کرنے میں گذاردی۔ اللہ رب العزت نے انہیں ہر دلعزیزی عطاء فرمائی تھی۔ سب ان کے مداح اور معترف ہیں۔ اپنے علم، مقام اور عظمت کے باوجود ہر ایک سے ملنا،عزت سے پیش آنا، مدد کرنے کی کوشش، یہ وہ صفات تھیں جن کے باعث وہ لوگوں کے دلوں میں رہتے تھے،میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے۔

میاں حیات بخش (صدر انجمن فیض الاسلام پاکستان)

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مرحوم و مغفور نہ صرف یہ کہ چوٹی کے عالم دین تھے، بلکہ اپنے علاقے کے ایک سچے مخلص خدمت گار رہنما بھی تھے،اپنے علاقے میں ان کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ آپ اکوڑہ کی نشست سے تین بار قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ انجمن فیض الاسلام پاکستان کے تمام ممبر مدرسین، ملازمین اور ۴۵۰ یتامیٰ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

سنٹرل جیل ہری پور

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ علم دین کی خدمت کرتے کرتے رحلت فرما گئے ہیں، جو شہادت کی موت سے کسی طرح بھی کم نہیں، حضرت شیخ نے اپنی زندگی میں کس قدر زیادہ شہداء اور مجاہدین پیدا کئے ہیں۔ وہ تو شہیدوں اور غازیوں کے استاد تھے تو ان کی شہادت میں کیا شک ہے ہم قیدی لوگ آپ ساتھ غم میں برابر کے شریک ہیں۔ محمد طاہر (سزائے موت)،سید قیوم (۳۰ سالہ قیدی)

قاری لعل جان، مجاہد احمد خان (۲۵ سالہ قیدی)۔

محمد زمان خان اچکزئی (سابق وزیر و سابق ممبر سینٹ بلوچستان)

مجھے معلوم کر کے انتہائی دکھ ہوا کہ آپ کے والد بزرگوار شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ دار فانی سے عالم جاودانی میں رحلت کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے، میں اس غم میں آپ کے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔

شاہ بلیغ الدین (سابق ایم این اے)

آپ کے ذاتی صدمے میں شریک ہوں لیکن آپ کے والد محترم کی موت تو ایک قومی صدمہ ہے، اس دور قحط الرجال میں ان جیسے ذی علم کا اٹھ جانا علمی دنیا کی بڑی محرومی ہے۔ مرحوم کے ساتھ قومی اسمبلی میں تین سال کی رفاقت رہی ان کے اخلاق کریمانہ کا خیال آتا ہے تو افسوس اور بھی بڑھ جاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے صبر وشکر کے سوا چارہ نہیں، ویسے مرحوم نے نہایت کامیاب زندگی گزاری اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طرح اپنے فضل وکرم سے نوازا۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ ان کی روح کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

مولانا سعید الرحمٰن علوی (سابق ایڈیٹر خدام الدین لاہور)

بروز جمعرات صبح ۹ بجے حضرت مولاناؒ کے سانحہ ارتحال کی خبر اخبار میں دیکھی، دل قابو میں نہ رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہائے اوموت! تجھے موت آئی ہوتی، پیغمبر خاتم ومعصوم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی آنکھوں کے سامنے آگیا، کہ علماء کے اٹھنے سے علم اٹھالیا جائے گا۔ پھر جو ہوگا اس کی خبر بھی ہے اور حالات عین اس کے مطابق ہمارے سامنے ...... اللہ تعالیٰ اس مظلوم امت پر رحم فرمائے زندگی میں کئی بار حضرت کی خدمت میں بیٹھنے کی سعادت میسر آئی۔ اب سب باتیں سامنے آرہی ہیں، ان کا معصوم چہرہ بھولی بھالی صورت، سراپا علم مجسم، شرافت واخلاق، اے کاش! اب ایسے لوگ نہیں ملیں گے دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں اور آپ جیسے لائق اور سعادت مند فرزندوں، ہزاروں شاگردوں متعدد تصانیف اور لاکھوں عقیدت مندوں کی شکل میں وہ بڑا سرمایہ چھوڑ گئے۔ حقانیہ امانت ہے ان کی اور بڑی مقدس امانت جس کی رکھوالی سبھی کا فرض ہے اور سب سے بڑھ کر آپ کا حقانیہ کے درو دیوار کہتے ہوں گے۔

غزالاں تم تو واقف ہوں کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانا مر گیا آخر کو ، دیوانے پر کیا گذری

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

حضرت شیخ الحدیث کے سانحۂ ارتحال پر کس طرح ماتم کروں اور کن الفاظ واسلوب میں، آپ سے اظہار غم وتعزیت کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اعلیٰ علیین میں سرفراز فرمائے اور آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نیاز محمد امین الطارق (آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز)

استاد محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی رحلت کی خبر سے دلی صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ صرف آپ کا اور آپ کے خاندان کا صدمہ نہیں بلکہ حضرت کے ہزاروں تلامذہ اور لاکھوں ارادت مندوں کا رنج وغم ہے اور عالم اسلام ایک دینی راہنما سے محروم ہوگیا ہے، خدا تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے۔

محمد علی شیخ صدر (جمعیت محبان اسلام پاکستان)

اراکین وعہدیداران جمعیت محبانِ اسلام پاکستان ممتاز عالم دین حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحقؒ ایک عظیم مجاہد اور فرنگی سامراج کے خلاف صفِ اول کے رہنما تھے۔ ہم سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں درجات سے نوازے۔

مولانا فتح محمد (امیر جماعت اسلامی سندھ)

میں ابھی ابھی لاہور سے تعزیت کے لئے روانہ ہورہا تھا کہ مولانا انوار الحق صاحب سے ملاقات ہوئی آپ سے نہ ہوسکی۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ ملت اسلامیہ کے عظیم علمی سرمایہ تھے۔ ان کے فیوض علمی ودینی قیامت تک ان شاء اللہ ان کے لئے باعث اجر وثواب اجر وثواب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی اور ان کے فیوض کو قیامت تک جاری رکھیں، اہلِ حق کا رویہ اتنے عظیم صدمہ پر انا للہ وانا الیہ راجعون کے اظہار ہی کا ہوسکتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی (جامعہ اشرفیہ)

آج اس وقت یہ رنج والم کی خبر ملی کہ ہمارے بزرگ محترم حضرت مولانا عبدالحقؒ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس اندوہناک خبر سے قلب ودماغ پر بہت ہی اثر پڑا۔ مولانا کی رحلت سے قوم اور ملک بڑے ہی خسران عظیم کا شکار ہوگیا، ان کی زندگی اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی عظمتوں کو قائم کرنے کے لئے جہاد میں گذری اب اس دور میں جب کہ ملک اور قوم کو ان کی سرپرستی کی زیادہ سے زیادہ ضرورت تھی، محروم ہونا انتہائی صدمہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العزت آپ سب حضرات کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ باباجی
جمع وترتیب: مولانا فضل غفور

سورۂ اخلاص ومعوذتین
تفسیری نکات، رموز واسرار

قرآن کریم عظمت والی کتاب ہے یہ ہم سے عمل چاہتی ہے۔ مومنین کی صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان:۷۲) جب مومنین کے سامنے اللہ تعالی کے احکامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ ان پرعمل کرتے ہیں اور اسکو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اندھے اور بہرے کی طرح نہیں ہوتے کہ بالکل حرکت نہیں کرتے۔ مومن بیداراور ہوشیار رہتا ہے صحیح سمجھنے کی کوشش کرکے اس حکم کوعمل میں لاتا ہے احکام شرعیہ کا یہی ادب ہے کہ اس کو سمجھا جائے اور اس پرعمل کیا جائے جب قرآن کی محبت اور عظمت دل میں آجاتی ہے تو انسان پھر قرآن ہی کے راستے کو اپناتا ہے۔

سورہ اخلاص کا ماقبل سے ربط

سورۂ اخلاص سے پہلے سورۂ لہب میں اللہ تعالی نے اس شخص کیلئے وعید بیان فرمائی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار چچا بقید حیات تھے ان میں دو حضرت حمزہ سید الشہداء اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا تھا۔ ابولہب اور ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تھے حضرت عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال بڑے تھے اور حضرت حمزہؓ ہم عمر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مربی رہے اور ابولہب دشمن رہے تو سورۂ الہب میں ابولہب اور اس کی بیوی کیلئے جہنم کی وعید ہے، لیکن جہنم میں جانا کس بنیاد پر تھا؟ دراصل ان کی مالی حیثیت اعلیٰ تھی، نسب میں اعلیٰ اور بہتر تھے رنگ کے اعتبار سے بھی خوبصورت تھے، رنگ کی صفائی اور جمال کی وجہ سے اس کو ابولہب کہا جاتا ہے اور سب سے باعزت اور شرافت والی جگہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے، ان سب فضائل کے باوجود اللہ تعالی اس کو جہنم کی

وعید سناتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ وہ توحید کے منکر تھے جو اس سورۂ اخلاص میں بیان ہورہی ہے، بعثت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو جمع کرکے خطاب میں فرمایا اگر میں تمھیں اس پہاڑ سے پیچھے دشمن کی خبر سناؤں جو تم پر حملہ آور ہورہا ہو اور تمہاری ہلاکت کے در پے ہو تو کیا آپ لوگ میری بات کی تصدیق کرینگے۔ سب نے جواب دیا کہ ہاں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے اس لئے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (النساء:٤٦)

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جو آپ سب کا دشمن ہے اور تمھیں ہلاک کررہا ہے اس سے اپنے آپ کو بچا اور اللہ تعالیٰ کی توحید قبول کرو۔

یہ سن کر سب منتشر ہوگئے ابولہب نے کہا تبا لك ألهذا جمعتنا ایک اور روایت کے مطابق ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مارنے کیلئے پتھر بھی اٹھایا۔ جواب میں یہ سورت نازل ہوئی تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ توحید اور صحیح عقید سے انکار پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا سنائی تو سورہ اخلاص میں اس توحید کا بیان ہورہا ہے جس سے ابولہب منکر تھے اس عذاب سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ توحید اور درست عقیدہ کو قبول کیا جائے۔

سورت کا خلاصہ

سورت کا خلاصہ توحید خالص کا بیان ہے۔ اس لئے اس کو سورہ اخلاص کہا جاتا ہے، منکرین توحید کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہوتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجوب الوجود ہونے کے منکر ہوتے ہیں، تیسرے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے صفات کے منکر ہوتے ہیں، چوتھے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی اور کو شریک ٹھہراتے ہیں اور ماورء الاسباب کسی اور سے بھی استعانت طلب کرتے ہیں، پانچویں قسم ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد کے مدعی ہوتے ہیں، چھٹی قسم ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مماثمت ثابت کرتے ہیں۔ اس سورہ میں اللہ ان سب پر رد فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ احد بمعنی یکتا کے ہے، ذات اور صفات میں یکتا ہے اسکا کوئی مثل نہیں اس کی ذات واجب الوجود ہے۔ کبھی عدم اس پر طاری نہیں ہوا ازلی ابدی ہے۔ اللہ کی تمام صفات کامل ہیں اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی اور ذات صفات اور عبادت میں شریک نہیں۔ استعانت فقط اللہ تعالیٰ سے ہی طلب کی جاتی ہے۔ اس میں

بھی اللہ تعالیٰ کیساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔ مشرکین مکہ، یہود ونصاریٰ اللہ کیلئے اولاد ثابت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا بھی رد فرماتے ہیں لَمْ يَلِدْ اللہ تعالیٰ نے کسی کو جنا نہیں، والد نہیں ہے اور نہ اللہ کسی سے پیدا ہوا ہے، مولود بھی نہیں ہے۔ مجوس اللہ تعالیٰ کیساتھ مماثل قرار دیتے تھے ان پر رد وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ میں آیا۔ مجوس کہتے ہیں کائنات میں دو خدا ہیں ایک خالق شر دوسرا خالق خیر جن کے نام یزداں و اہرمن ہیں تو اس سورت میں منکرین توحید کے تمام انواع وصورتوں پر رد حاصل ہوا۔

شان ورود سورت

مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ صف لنا ربك اے پیغمبر! اپنے رب کا وصف اور نسب ہمارے سامنے بیان کیجئے! اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی کہ میرا کوئی نسب نہیں ہے میں نہ کسی کا والد ہوں اور نہ کسی کا ولد میرا کوئی مماثل اور ہمسر نہیں ہے۔

تفسیر سورت

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اسلئے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے، آپ ہی کے اعتماد پر لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کو تسلیم کریں تو قُلْ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی جانب اشارہ ہے۔ ھو یہ ضمیر شان ہے بعد کا جملہ اس کیلئے تفسیر ہے، شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ ھو مبدل منہ اور اللّٰہ اس سے بدل ہے احد خبر ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ ھو ضمیر مسئول عنہ کی جانب راجع ہے کہ وہ مسئول عنہ اللہ ہے، یکتا ہے بے نیاز ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے، کلام عربی میں لفظ "واحد" اور "احد" مستعمل ہے، یہاں لفظ احد ذکر ہے، واحد ایک کو کہا جاتا ہے، دو کے مقابل میں ہے جبکہ "احد" وہ ہے جس کے ذات میں شرکت نہ ہو، صفات میں شرکت نہ ہو، اس سے تعبیر "یکتا" سے کی جاتی ہے، مکمل ہستی ہے، ذات اور صفات کے اعتبار سے کامل ہے اسی طرح استحقاق عبادت واستعانت میں اس ذات کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہے، اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اب جو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں کسی اور کو شریک کرے یا غائبانہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر سے اپنی حاجات مانگے، یا منکر وجوب باری تعالیٰ ہو یا منکر صفات کمالیہ باری تعالیٰ ہو ان سب پر رد حاصل ہوا۔

قولہ: اَللّٰهُ الصَّمَدُ مفسرین نے صَمَد کے کئی ترجمے کئے ہیں، اساتذہ اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات محتاج الیہ کل مخلوق کا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ عام ترجمہ اس کا بے نیاز

کیساتھ کیا جاتا ہے۔قولہ : لَمْ یَلِدْ ای لم یلد احدا مفعول بہ مقدر ہے یعنی اللہ تعالی نے کسی کو جنا نہیں ہے، کسی کا والد نہیں ہے اس سے یہود ونصاری پر رد حاصل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ اسی طرح ارشاد باری ہے مشرکین مکہ بھی جذبات میں آ کر کہتے تھے الملا ئکۃ بنات اللہ تو ان سب پر رد حاصل ہوا۔قولہ وَلَمْ يُوْلَدْ من احد اللہ تعالی کسی سے پیدا نہیں ہوا اور حضرت عیسیٰ تو مریم سے پیدا ہوا وہ کیسے خدا بن گیا۔قولہ :وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اس میں مجوس پر رد ہے۔ اللہ تعالی کیلئے کوئی مثل اور ہمسر نہیں ہے تو اس سور میں مکمل توحید کا بیان اور تمام فرق ومذاہب باطلہ پر رد حاصل ہوا۔

سورہ اخلاص کی فضیلت

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ آپ لوگ دن یا رات میں ثلث قران کیوں نہیں پڑھتے ؟ صحابہ کرام نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم ثلث قران کیسے پڑھیں گے؟ یعنی دس پارے دن یا رات میں تلاوت کرنا زیادہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جس نے یہ سور اخلاص تلاوت کی اس نے ثلث قران کی تلاوت کی (مشکوۃ المصابیح ۲۱۲۷) مضمون یا ثواب کے اعتبار سے سورۂ اخلاص ثلث قران کے مساوی ہے۔

سورہ فلق وسورہ الناس کی فضیلت

حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ناقہ اونٹنی کا مہار پکڑ کر جارہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا الا اعلمك سورتین قرا تا ......الخ کیا میں آپ کو دفع مصیبت اور دفع شر کیلئے دو سورتیں نہ سکھاوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں، سکھایئے یا رسول اللہ،تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی سورتیں سکھائیں، اس سے میں خوش ہوا، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ اس نے زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کیا،تو رات کے سفر کے بعد فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طوال مفصل کے بجائے یہ دو سورتیں دو رکعات میں پڑھیں، نماز سے فراغت کے بعد مجھے دیکھا اور فرمایا کیف را یتك یعنی آپ کو ان دو سورتوں سے خوش ہوجانا چاہیے کہ یہ طوال مفصل کے قائم مقام بن گئیں یہ ان کی فضیلت اور اہتمام ہے۔حضرت عقبہ ابن عامر کی ایک اور روایت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا الم تر ایات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن قط رات کو ایسی ایت نازل ہوئی ہے کہ دفع شر ومصائب کیلئے اس جیسا وظیفہ کوئی اور نہیں اترا وہ یہ دو سورتیں فلق اور ناس ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ۲۱۳۱)

حضرت عقبہ ابن عامر کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جارہے تھے کہ سخت آندھی اور بارش نے ہمیں گھیر لیا۔ کچھ وقت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے غائب ہوگئے۔ میں پریشانی کے عالم میں تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گیا میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دوسورتوں پر تلفظ فرمارہے تھے اور مجھے فرمایا کہ یہ دوسورتیں پڑھیں۔ اسلئے کہ اس جیسی سورتیں دفع بلیات وآفات میں اور کوئی نہیں ہیں (مشکوۃ المصابیح ۲۱۶۲)

حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ اندھیرا اور تیز اندھی چل رہی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے الگ ہوئے ہم تلاش میں تھے اور کچھ دیر بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مل گئے اور مجھے فرمایا کہ یہ تین سورتیں سور اخلاص ،فلق ،ناس پڑھو۔ اسلئے کہ ان جیسی سورتیں دفع مصائب وتکالیف میں اور کوئی نہیں ہے (مشکوۃ المصابیح ۲۱۶۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب رات کوسوتے تھے یہ تین سورتیں تین دفعہ پڑھ کر ہاتھ پر پھونک کر پورے بدن پر پھیر لیتے تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت مبارک تھی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو میں ان تین سورتوں کو پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مبارک پر پھونکتی تھی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو ان کے بدن پر پھیر لیتی تھیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ تعوذ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وظیفہ امت کیلئے تین دفعہ صبح اور تین دفعہ رات کو ان کا پڑھنا، حفاظت کیلئے اکسیر نسخہ ہے۔

سورہ اخلاص کے ساتھ ربط

سورہ فلق اور سورہ الناس کا سورہ الاخلاص کے ساتھ ربط الله الصمد میں ہے، چونکہ اللہ تعالی کی ذات محتاج الیہ تمام مخلوقات کیلئے ہے تو ہم اس کے ساتھ پناہ مانگیں گے۔ وہی ذات ہمیں شر سے، مصائب سے نجات دے گی، ہمیں بیماری سے شفا دے گی۔ اور ہم اپنی فریاد اللہ تعالی کی دربار میں پیش کرینگے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات سے ہمیں یہی حاصل ہوتا ہے۔

سورہ الفلق اور الناس کا خلاصہ

علماء لکھتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں میں اس بات کی تعلیم ہے کہ تمام مصائب اور مضرات خواہ جسمانی ہوں یا روحانی اللہ کی ذات پر توکل اور اعتماد کرنا ضروری ہے، سورہ الفلق میں جسمانی مصائب اور تکالیف سے نجات کا ذکر ہے اور سورہ ناس میں روحانی تکالیف سے نجات کا ذکر ہے۔

شان ورود

مجموعی طور پر یہ دونوں سورتیں گیارہ آیات پر مشتمل ہیں، یہ گیارہ آیتیں یکبارگی نازل ہوئی ہیں، علماء نے ان دونوں سورتوں کے مدنی اور مکی میں اختلاف کیا ہے۔ مکی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئی ہیں، مدنی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت کے وقت یا ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں، مشہور یہ ہے کہ یہ دونوں مکی سورتیں ہیں اگر چہ واقعہ مدنی ہے، مدینہ منورہ میں جب اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، مقابل میں مشرکین اور یہود کی جانب سے تکالیف اور خفیہ منصوبے بھی تیز ہوتے چلے گئے، انصار مدینہ کو دھمکیاں دینے لگے۔ ان میں ایک یہودی لبید بن اعصم اور ان کی بیٹیاں سحر میں بڑی ماہر تھیں۔ دشمنان نے ان کو مال کی لالچ دے کر کہا کہ اس شخص کو سحر کے ذریعے مغلوب کرنے کی کوشش کریں۔لبید اوران کی بیٹیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا۔سحر ایک قسم کی بیماری ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے اور نبوت کے منافی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے ہیں اور علاج فرمایا ہے، یہ نبوت کے منافی نہیں ہے۔لبید بن اعصم اوران کی بیٹیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی کے چند بال حاصل کئے، اس پر سحر کا منتر پھونک کر اور گیارہ گرہیں لگا کر بیر ذی اروان میں ایک پتھر کے نیچے چھپایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سحر کا اثر ہوا، دنیاوی امور میں بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس بیماری کا احساس ہوا اور اللہ تعالی سے دعائیں مانگنی شروع کیں، بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی نے بتادیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے، اور فرمایا کہ دو شخص خواب میں آئے ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے دوسرے سے کہا ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا یہ مسحور ہے۔ اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا؟ تو اس نے جواب دیا لبید بن اعصم نے، جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اس نے پوچھا کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اس نے بتادیا کہ کنگھی اور اس کے دندانوں میں، پھر اس نے پوچھا: وہ کہاں ہے؟ اس نے بتایا: کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا یہ پھل ہوتا ہے اور وہ بیر ذی اروان میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اس کو صحابہ کے ذریعے نکال لیا۔ اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے اس کا اعلان کیوں نہیں فرمایا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا مجھے اللہ تعالی نے شفا دے دی مجھے پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں، مطلب یہ تھا کہ اعلان کیا جاتا

کہ لوگ اس کو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ کا یہ مرض چھ ماہ تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہؓ کو معلوم ہوا تھا کہ یہ حرکت لبید بن اعصم نے کی ہے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو قتل کیوں نہ کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب فرمایا جو حضرت عائشہ کو دیا تھا، اس وقت جبرئیلؑ یہ ۱۱ر آیتیں لے کر آئے، یہ آیات حضرت جبرئیل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے اور ایک ایک گرہ کھول دیتے تھے یا خود بخود کھل جاتا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں تخفیف آتی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر صحت یاب ہوئے۔

سورہ الفلق میں مضرات جسمانیہ سے استعاذہ کی تعلیم ہے، سورۂ الناس میں روحانی آفات اور تکالیف سے استعاذہ کی تعلیم ہے، اس میں وسوسہ کا ذکر ہے، جو مضر ہے اور معصیت کی جانب مفضی ہوتی ہے اور ایمان کی خرابی کا سبب بنتی ہے۔

قُلْ :اے پیغمبر! آپ اپنے لئے اور امت کی تعلیم کیلئے کہہ دیجئے! کہ میں صبح کے مالک اور صبح کے رب کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ فلق کسی چیز کے چیرنے کا نام ہے، دوسری جگہ ارشاد باری ہے فالق الاصباح۔ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی صبح کی روشنی بھی تاریکی کو چیر لیتی ہے، اللہ تعالیٰ کے کئی صفات ہیں، اس صفت کے ساتھ استعاذہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ غموم اور ہموم بھی تاریکی کی طرح ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! جس طرح تو نے یہ حسی تاریکی صبح کی روشنی کے ذریعے دور کردی اسی طرح غموم کی یہ تاریکی بھی مجھ سے دور کیجئے اور مجھ پر اطمینان کی روشنی لے آئیے۔

رَبِّ :رب کا معنی تربیت کرنے والی ذات ہے۔ مستعیذ پناہ مانگنے اور چاہنے والا بندہ ہے مستعاذ بہ رَبِّ الْفَلَقِ ہے، مستعاذ منہ، شَرِّ مَا خَلَقَ ہے۔ تمام مخلوق کی شر سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ مخلوق کی شر میں تمام تکالیف، مصائب آ گئیں، کبھی بعض اشیاء موجب شر ہوتی ہیں، مثلاً کفر اور معاصی ہیں جو مصائب کا ذریعہ ہیں ارشاد باری ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ جو نظام شریعت کے خلاف ہو وہ معاشرہ مصائب اور تکالیف کا سبب بنتی ہیں تو شَرِّ مَا خَلَقَ میں تمام شرور داخل ہوئے۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ یہ ذکر الخاص بعد العام اهتماما لشانه ہے۔ تین قسم کے شرور زیادہ خطرناک ہوتے ہیں ان سے خصوصی طور پر پناہ مانگی گئی ہے رات کی تاریکی سے جب پھیل جائے رات کا شر زیادہ سخت ہوتا ہے اور جوں جوں رات کی تاریکی پھیلتی ہے مصیبت زدہ شخص کی تکلیف میں اضافہ

ہوجاتا ہے۔اس لئے کہ اس کی دادرسی کے لئے کوئی نہیں ہوتا۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ: گرہوں پر منتر پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔منتر اور سحر کا شر بھی بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔جس سے بدن کو بیماری لاحق ہوجاتی ہے اور مرض کا پتہ نہیں چلتا یہ ایسا مرض ہے جو انسان کی بساط سے خارج ہوتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ: حاسد کی شر سے جب یہ حسد کو ظاہر کرے اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔حسد کا معنی تمنی زوال نعمة الغير ہے۔کسی سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ نے کسی کو جوانی کی نعمت سے نوازا ہے،یا حلال مال کی نعمت سے نوازا ہے،اچھا عہدہ دیا ہے،کوئی اور اس سے اس نعمت کی زوال کا متمنی ہو،اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ یہ نعمت نہیں دیکھنا چاہتا۔اب جب حاسد اپنے حسد کو ظاہر نہیں کرتا تو اس میں اس کا اپنا نقصان ہے،شر تب بنتا ہے جب یہ اپنا حسد ظاہر کریا اور مقابلہ پر اتر آئے۔

یہ تین قسم کے خصوصی شر ہیں،ان سے خصوصی طور پر پناہ مانگی گئی۔ان دونوں سورتوں کے شان ورود کو اس آیت،وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ میں اشارہ ہے اور رات کا سحر زیادہ مؤثر ہوتا ہے،علماء لکھتے ہیں کہ من شر غاسق کو اذا وقب کیساتھ مقید کیا گیا اور مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ کو بھی اِذَا حَسَدَ کیساتھ مقید کیا گیا،جبکہ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ کو بغیر قید کے رکھا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ سحر مطلقا خطرناک چیز ہے، انسان اس شر کے ازالے کا استطاعت نہیں رکھتا،جبکہ رات کی شر کا ازالہ جب تک رات کی تاریکی مکمل نہ ہو ممکن ہوتا ہے۔اسی طرح حاسد جب تک اپنے حسد کو ظاہر نہیں کرتا دوسروں کی تکلیف کا سبب نہیں بنتا،خود اس کیلئے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

قُلْ: اے پیغمبر! آپ اپنے لئے اور امت کی تعلیم کیلئے کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور لوگوں کے بادشاہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور لوگوں کے معبود کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں،یہاں بھی مستعیذ بندہ ہے،مستعاذ بہ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، اِلٰهِ النَّاسِ ہے اور مستعاذ منہ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ہے۔ایسا وسوسہ جو معصیت کے لئے سبب بن جائے یہ روحانی آفت ہے۔روح کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔شیطان کے وساوس چونکہ انسان کو نقصان پہنچا دیتی ہے اور استعاذہ کا تعلق ناس کے ساتھ ہے۔اس لئے "نَّاس" کی تخصیص کی گئی۔رب کیساتھ ساتھ اللہ کی ذات سب کا بادشاہ بھی ہے،بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ معبود بھی ہے۔تو اللہ کی ذات مالک بھی ہے معبود بھی ہے،مالک اپنی مملوک کی تربیت کرتا ہے اور اسکی حفاظت کرتا ہے،بادشاہ اپنی رعیت کی حفاظت کرتا ہے اور انکی

خیر چاہتا ہے۔ عبادت اس ذات کی کی جاتی ہے جو رعیت کی حفاظت پر قادر ہو اور اسکو فائدہ پہنچائے، اس سے تکلیف دور کرنے پر قادر ہو تو اللہ کی ذات معبود برحق ہے تکلیف دور کرنے پر بھی قادر ہے، نافع اور ضار ہے۔ اسلئے یہ تین صفات ذکر ہیں۔ استعاذہ میں ہر ایک صفت کا دخل ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ: وسواس اسم مصدر ہے مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ أی ذی الوسواس مبالغہ کیلئے تعبیر اسم مصدر سے ہوا ہے۔ اس شیطان کے شر سے جو وسوسے ڈالتا ہے؛ "الْخَنَّاسِ" خنس کا معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کے دل میں اپنا سونڈ ڈالتا ہے۔ جب انسان کا دل اللہ تعالی کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔ جب انسان اللہ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو شیطان اپنا سونڈ نکال دیتا ہے، واپس لوٹتا ہے، دور بھاگتا ہے۔ شیطان کی صفت خناس اس لئے ہے شیطان آذان کی آواز سن کر بھی دور بھاگتا ہے۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ: وہ شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، دل انسان کے بدن میں ایک ایسا عضو ہے کہ پورا بدن اس کے تابع ہوتا ہے۔ شیطان بھی اس اہم اور بنیادی عضو کو قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب دل اس کے قبضے میں آجاتا ہے تو باقی اعضا خود بخود اس کے قبضہ میں آجاتے ہیں۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ: یہ جملہ وسواس الخناس کیلئے فاعل ہے۔ ترقی من الأدنی إلی الاعلی ہے۔ یہ وَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ جنات اور انسانوں میں ہوتے ہیں۔ اب انسانوں کا شیطان دل پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے، وہ یوں کہ ایک شیطان نما انسان دوسرے انسان کے دل میں شر اور معصیت کی باتیں ڈالتا ہے جو معصیت اور غلط فیصلوں کے ارتکاب کا سبب بن جاتا ہے اور یہ اکثر عصر اور مغرب کے درمیان ہوتا ہے، جس سے ایک انسان کو قبر میں اور دوسرے کو جیل بھیج دیتا ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالی کے تین صفات مذکور ہیں، دراصل معصیت کا وسوسہ مومن کے ایمان کو نقصان پہنچاتا ہے اور طاعت باری تعالی میں خلل ڈالتا ہے تو یہ نقصان بدنی نقصان کی بنسبت زیادہ خطرناک ہے، بدن کے امراض اور نقصانات علاج سے درست ہو سکتے ہیں لیکن ایمان کا نقصان کیسے پورا ہوگا، اس اہتمام کی وجہ سے اللہ تعالی کے تین صفات ذکر ہیں، جبکہ سورہ الفلق میں صرف ایک صفت ذکر تھا، یہاں بھی مستعیذ بندہ ہے اور مستعاذ بہ اللہ تعالی کی ذات ہے جو تین صفات کے ساتھ یہاں متصف ہے جبکہ مستعاذ منہ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ہے۔

لفظ ''ناس'' کی تکرار کی وجہ

اس سورت میں لفظ ناس پانچ دفعہ ذکر ہے۔علم لغت کا قانون ہے کہ ایک لفظ اولاً اسم ظاہر کے ساتھ ذکر ہو، ثانیاً ضمیر سے ذکر کیا جاتا ہے، پہلا نکتہ یہ ہے کہ یہاں چونکہ موضع وضاحت ہے کمال ایضاح کیلئے اسم ظاہر مکرر ذکر ہوا ہے۔علماء لکھتے ہیں کہ یہاں ہر نَّاس کا معنی دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے یہاں ضمیر ذکر نہیں اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ: میں نَاس سے مراد بچے ہیں، بچوں کی تربیت کر کے جوان بنالیتے ہیں، چھوٹے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں مَلِكِ النَّاسِ میں ناس سے مراد جوان ہیں۔ چونکہ جوان لوگ اپنی جوانی کی گھمنڈ میں نافرمانی شروع کردیتے ہیں، تو ان کے لئے بادشاہ اور حاکم ہونا چاہئے جو ان کو بزور قوت راہ راست پر لائیں اِلٰهِ النَّاسِ یہاں ناس سے مراد بوڑھے ہیں جن کے لئے عبادت کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ اور دنیاوی کام ان کیلئے مشکل ہوجاتے ہیں

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ: یہاں نَاسِ سے مراد نیک لوگ ہیں، شیطان نیک لوگوں کو وسوسے ڈال دیتا ہے۔شریر لوگوں کو وسوسے نہیں ڈالتا اس لئے ان کو وساوس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہمارے دلوں میں ایسے وساوس آتے ہیں جن کا ہم تلفظ نہیں کرسکتے، نہایت قبیح وساوس ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے ایمان کی علامت ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی طبیب تھے، صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ایسے وساوس کا پانا ایمان کی علامت ہے، عقیدہ کی درنگی کی علامت ہے، اسلئے تو یہ وساوس مومن کو قبیح لگتے ہیں اور ان پر تلفظ نہیں کرسکتے، علماء لکھتے ہیں کہ شیطان کی مثال ڈاکو جیسی ہے اور ڈاکو اس گھر میں ڈاکہ ڈالنے جاتا ہے جہاں مال کا خزانہ ہو، فقیر اور مسکین کے گھر چور کیا کرے گا، اب جس کے دل میں ایمان کی دولت ہو، شیطان ایسی جگہ ڈاکہ ڈالے گا اور چوری کرنے کی کوشش کرے گا اور مومن بندہ کو یہ شیطانی وساوس بہت برے لگتے ہیں اور یہ ایمان کی پختگی کی علامت ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ: یہاں نَاسِ سے مراد شریر لوگ ہیں، شریر لوگ شر پھیلانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس جملہ میں ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ہے، شیاطین الجن کے وساوس شیاطین الانس کے وساوس سے کمزور ہوتے ہیں، شیاطین کے وساوس کا آسانی سے علاج کیا جاتا ہے لیکن شیاطین الانس کے وساوس بڑے مضبوط ہوتے ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ قرآن کی ابتدا بسم اللہ کے ''با'' اور اختتام وَالنَّاس میں ''سین'' کے ساتھ ہوئی ہے ''با'' اور ''سین'' ملانے سے ''بس'' بن جاتا ہے اور ''بس'' بمعنی یکفی کے ہے یعنی یہ قرآن سب کی ہدایت کے لئے کافی ہے۔

مولانا احمد عبید اللہ یاسر قاسمی

مغربی تہذیب وثقافت کی حقیقت اور معاشرہ پر اس کے سنگین اثرات

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائے آفرینش سے ہی حق و باطل کی معرکہ آرائی جاری ہے، ہر دور میں معاندین اور ہر زمانے میں مخالفین نے شر انگیزی پھیلائی ہے، ہر قوم وملت میں ایسے ناعاقبت اندیش افراد نے جنم لیا ہے جنہیں اشاعتِ حق اور غلبہ خیر سے پیدائشی دشمنی رہی ہے؛ لیکن موجودہ دور کے جو فتنے سر ابھار رہے ہیں وہ ایک خطرناک ترین سازش اور تعصب پر مبنی اسلام دشمنی اور اہلِ اسلام سے ازلی عداوت ونفرت کا شاخسانہ ہے، شاید یہی وہ ذہنی ،فکری اور عملی ارتداد ہے جو سب سے پہلے انسان کے ظاہری طبیعت پر اثر انداز ہوکر اس کے باطن سے ایمان کی حقیقی لذت چھین لیتا ہے بقول مفکر اسلام ابو الحسن علی میاں ندویؒ ردۃ ولا ابابکرلھا یہ ایک ایسا ارتداد ہے جس کیلئے کوئی ابوبکر نہیں ہے شاید اس جملے پر کسی شخص کو اعتراض ہو؛ لیکن راقم الحروف صد فی صد متفق ہے؛ کیونکہ ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں کہ ہم ایک صریح فکری ،تہذیبی وثقافتی ارتداد میں جھونک دیے گئے ہیں جہاں سے واپسی کی راہ کافی دور ہو چکی ہے اور ہر کوئی اس سے بے اعتنائی کا شکار ہے اگر ہم اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہماری صبح وشام میں مغربی تہذیب وثقافت کے آثار ہیں ؛ بلکہ دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب میں مغربی الحاد اور بے دینی کی لہر ہے، حتی کہ مذاہب کا اثر لوگوں میں صرف ناموں تک رہ گیا ہے باقی سب رسومات وعبادات اخلاقیات ومعاشرت اسی تہذیب مغرب کی نذر ہوکر تباہ و برباد ہوگئے ہیں ، ہمارے معاشرہ کا سرمایہ دار طبقہ مغربی تہذیب وثقافت کا دلدادہ بن چکا ہے، ہمارا موجودہ تعلیمی نظام بھی اسی طبقہ کے ہاتھ میں ہے جس کی وجہ سے کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلنے والے طلباء کی اکثریت مغربی (فرنگی) تہذیب وثقافت کی دلدادہ بن رہی ہے، یہ سلسلہ مسلسل تیزی کے ساتھ جاری ہے اگر اس ارتداد کی طرف فوراً توجہ نہ دی جائے اور اگر اسے یونہی جاری رہنے دیا جائے تو بہت جلد اکثریت کا اسلام سے جذباتی لگاؤ بھی ختم ہونے لگے گا۔

مغربی تہذیب کا تعارف

مغربی تہذیب کسی خاص مذہب کا نام نہیں ہے جو الہامی یا خدائی تعلیمات پر عمل کرنے کا مدعی ہو بلکہ تہذیب مغرب یا مغربی فکر وفلسفہ ایک ایسی سوچ وفکر کا نام ہے جو ہر کسی کو اپنے اپنے مذہب پر پرائیویٹ زندگی میں عمل کرنے کی اجازت ضرور دیتی ہے؛ لیکن خاص طرز فکر عقائد اور وحی پر مبنی تعلیمات کو قبول نہیں کرتی، اس لیے کہ مغربی نقطۂ نظر میں سب سے اہم چیز خود انسان ہے دنیا میں عیش وعشرت، فرحت ولذت اس کا حق ہے، اپنے عمل کا کسی دوسرے کے سامنے جواب دہ نہیں تو وہی مادیت، زر پرستی اور مال ومنال سے بے انتہا محبت اس کا بنیادی وصف ہے۔

مغربی تہذیب کی بنیاد

اہل مغرب کی تہذیب وثقافت کا دارومدار تین چیزوں پر ہے:(۱) آزادی (۲) مساوات (۳) ترقی اگر ان تینوں چیزوں میں اضافہ ہورہا ہوتو اس کو فروغ دیا جاتا ہے؛ بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے اور اگر کوئی فرد یا گروہ کسی رکاوٹ کے ذریعے اس راہ میں حائل ہوجائے تو اس کو قانونا یا جبراً ختم کردیا جاتا ہے اور اِن ہی تین اشیاء کو مدنظر رکھ کر اہل مغرب نے ایک عالمگیر قانون ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' کے نام سے مرتب کر کے ہر ملک کو اس کا پابند بنایا ہے جس کی پاس داری تمام ممالک کے ذمہ ضروری ہے (بحوالہ: تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید)

اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں بنیادی فروق

(۱) اسلام میں اعلی اتھارٹی اللہ جل شانہ کو مانا گیا ہے، کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالی کا حکم نازل ہوگا، انسان خود کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دینے میں آزاد نہیں ہے۔ زنا حرام ہے یا حلال؟ سود لینا اور دینا حلال ہے یا حرام؟ اس کی تعیین صرف اللہ جل شانہ کریں گے؛ جبکہ اہل مغرب اعلی اتھارٹی انسان کو سونپ دیتے ہیں کہ ہر چیز کا اختیار انسان کے ہاتھوں میں ہے، وہ جسے درست کہہ دے وہ درست اور جسے غلط کہہ دے وہ غلط، صحت وسقم کا دارومدار انسان کی عقل پر ہے اور وہ ہر طرح سے آزاد ہے جیسے: زنا کرنا درست ہے یا غلط؟ لواطت انسانی حق ہے یا قبیح ترین عمل؟ سود لینا جائز ہے یا حرام؟ اس کا فیصلہ انسانی عقل کرے گی۔

(۲) اسلام کی رہنمائی شریعت محمدی کے ذریعے ہے جب کہ مغربی فکر وفلسفہ میں رہنمائی حاصل کرنے

کے لیے نہ ہی رسولوں کی ضرورت ہے نہ کسی آسمانی کتاب کی؛ بلکہ انسان عقل کے سوا کسی کا تابعدار نہیں۔

(۳) اسلام میں قانون شریعت سے اخذ کیا جائے گا جب کہ مغربی نظریات اور ان کی تہذیب و تمدن کے مطابق قانون انسانوں کا منتخب کردہ گروہ (پارلیمنٹ) بنائے گا۔

(۴) اسلامی تہذیب میں خدا کا تصور یہ ہے کہ خدا ایک ہے، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور مسلمان اسی ایک خالق و مالک کے ماننے والے ہیں، جس نے انسانوں اور سارے جہانوں کو پیدا کیا ہے؛ جب کہ اس کے برعکس مغربی تہذیب نے خدا اور مذہب کے انکار کے بعد مادہ کو اپنا خدا تسلیم کیا ہے، اس کے نزدیک مادہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا اور وہ اپنے شعور کی بنیاد پر اشیاء کی تخلیق کرتا ہے۔

(۵) اسلامی تہذیب میں علم کا تفوق وحی ہے، چنانچہ وحی کے مقابلے میں انسان کا تخلیق کردہ کوئی بھی علم فوقیت نہیں رکھتا ہے؛ جب کہ مغربی تہذیب میں تفوق عقل کو حاصل ہے، اسی وجہ سے جنت جہنم کے وجود کا انکار کرتے ہیں، بعث بعد الموت کو جھٹلاتے ہیں، جزا و سزا اور ان جیسے دیگر عقائد کے صریح انکاری ہیں اور یہی وجہ ہے اہل مغرب کسی مذہب کے قائل نہیں ہیں اسلئے کہ مذہب کو عقلیات اور سائنس سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ایمانیات و عقائد کا باب تو صرف وحی کے علم کے ذریعے سے ہی سمجھ میں آ سکتا ہے۔

(۶) اسلام میں عبادات کا مقصد اور انسان کی تگ و دو کا حاصل مسلمانوں کیلئے آخرت میں کامیابی اور جنت کا حصول ہے جبکہ مغربی تہذیب کامیابی صرف مادی ترقی کو مانتی ہے، جس نے دنیا میں جتنی زیادہ مادی ترقی کی وہی کامیاب ترین انسان ہے، اور یہ تصور اس قدر عام ہو چکا ہے کہ آج عوام تو کجا خواص بھی مالداری اور دنیوی ترقی کو کامیابی سمجھ بیٹھے ہیں

(۷) اسلامی تہذیب میں انسان کو زمین پر اللہ کا خلیفہ اور اس کا نائب مانا گیا ہے، خلاصہ کائنات، اشرف المخلوقات، حتی کہ ایک مومن مسلمان کی حرمت کو کعبہ کی حرمت سے زیادہ بتایا گیا ہے اس کے بالمقابل مغربی تہذیب نے انسان کو حیوان سے زیادہ کبھی تسلیم نہیں کیا ہے۔ مغربی تہذیب کے مطابق علم سیاسیات میں انسان ایک سیاسی حیوان ہے، علم معاشیات میں ایک معاشی حیوان ہے، علم نفسیات میں انسان مخصوص جبلتوں کے مجموعہ کا نام ہے، علم حیاتیات

میں انسان محض ایک حیاتی وجود ہے، اس تہذیب نے انسان کو مادیت سے آگے پہنچایا ہی نہیں اسی نقطۂ نظر کی خرابی نے پوری انسانیت کو مادیت پرستی کی آگ میں جھونک دیا ہے۔

یہ وہ بنیادی فروق ہیں جن سے اسلامی اور مغربی تہذیب وثقافت کو پرکھا جاسکتا ہے اور اس کے نقصانات سے بچایا جاسکتا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہم تہذیب وثقافت کی اصطلاح بہت سطحی معنی میں استعمال کرتے ہیں، مغربی تہذیب کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ پینٹ شرٹ پہنا جائے، ٹائی لگائی جائے، کلین شیو ہو تو یہ مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے، یا صرف فحاشی وعریانی کے سیلاب کو مغربی تہذیب سمجھتے ہیں؛ جب کہ بات ایسی نہیں ہے، بلاشبہ تہذیب کو لباس، وضع قطع، تراش خراش کو لے کر بھی پرکھا جاسکتا ہے؛ لیکن تہذیب کی جو سطح ہے وہ لباس اور وضع قطع ہی نہیں، بلکہ اس کی بنیادیں اور نظریات ہیں جن کو سمجھ کر ہی اس تہذیب کا مقابلہ ممکن ہے۔

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب

مغرب نے الحاد، بے دینی اور لامذہبیت کو فروغ دینے کے لیے اور اسلام دشمنی اور مسلم تعصب کے ہدف کو دنیا میں عام کرنے کے لیے خطرناک ہتھکنڈوں کو استعمال کیا:

(۱) انھوں نے سب سے موثر طریقہ دولت کی لالچ اور جاب کی آفر دے کر جگہ جگہ عیسائی مشنری اسکولز کا قیام عمل میں لایا، جن میں اہل مغرب نے ایسا نصاب مرتب کیا کہ طالب علم دین سے متنفر ہو جائے اور بے دینی کو ترجیح دے جہاں کے ماڈرن تعلیم یافتہ فضلاء مذہب کی تاریخی توجیہ کر کے یہ بتاتے ہیں کہ پہلے مذہب نہیں، مذہب بعد کی پیداوار ہے اور آخرت کوئی چیز نہیں، اصل دنیا ہے اور مذہب ایک نجی مسئلہ ہے، اس پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں اور اہل مغرب کو مہذب اور مسلمانوں کو غیر مہذب ثابت کرتے ہیں، پھر بتدریج اسلامی نظریات کو مغربی نظریات کے تابع کر کے پیش کرنا شروع کرتے ہیں، وحی کا انکار اور عقل اور تجربہ کو حق وصداقت کیلئے معیار قرار دیتے ہیں اور پھر طلبہ کے دماغ میں یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین دنیا کی ترقی کیلئے مانع ہے، علماء اور دین پر عمل کرنے والے سب حقیر لوگ ہیں اور یہ تصور پیش کرتے ہیں ہے کہ اسلام عصر حاضر کے مطابق نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ترقی کا پورا مدار سائنس اور ٹیکنالوجی پر ہے:

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

(۲) دوسرا طریقہ انہوں نے یہ اپنایا کہ غربا میں رفاہی مالی امداد کی جائے اور انکو اپنے مذہب سے دور کرکے مرتد بنایا جائے تعلیمی پسماندگی اور غربت و مفلسی میں مجبور افراد بکثرت اسکے شکار ہوئے ہیں۔

(۳) تیسرا طریقہ انھوں نے یہ اپنایا کہ ذہین مسلم طلبہ کو اعلی تعلیم کے لیے مغربی مما لک میں موجود کالجوں ،یونیورسٹیوں آکسفورڈ ،کیمبرج وغیرہ میں بھیجا جائے ان کی ذہن سازی کی جائے ،یہ بتایا جائے کہ سود ترقی کے لیے لازم وضروری ہے، سنتیں تو نعوذ باللہ صرف قدیم عربی رسم و رواج ہیں نماز کیلئے وقت نکالنا العیاذ باللہ تضیع اوقات کے مترادف ہے، زکوۃ اور ٹیکس تو ایک ہے ،قربانی، حج اور عمرہ میں خرچ کی جانے والی رقم بے جا مصرف میں خرچ کرنا ہے، اس کے بجائے غریب، بیوہ کو رقم دینا زیادہ بہتر ہے، سیاست اور دین میں کوئی تعلق نہیں ،فیشن وقت کا تقاضہ ہے، اب تم آزاد ہو اور عورت چاہے پردہ کرے یا نہ کرے، ایسا لباس پہنے جس سے بدن کی ساخت ظاہر ہو تو کوئی آپ کو روک ٹوک نہیں کرسکتا، ہاں! یہ تمہارا کلچر ہے کہ تم ویلنٹائن ڈے، برتھ ڈے مناؤ یعنی کہ عیش وعشرت کا عادی بنایا جائے، پھر جب ان کے دماغ پر مکمل طور سے قبضہ ہوجائے تو مال و زر کے ذریعہ ملک کی سربراہی حاصل کرکے ان کو سونپی جاتی ہے اور انھیں اپنا آلہ ء کار بنا کر اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ان سے کام لیا جاتا ہے۔علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا تھا:

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کیلئے مرگ مفاجات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

اور مغربی تہذیب کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ معاون میڈیا بنا جس کے ذریعے فحاشی، عریانی اور بے دینی کو عام کیا گیا ،ایسی ایسی فلمیں بنائیں جن میں دین داروں کا مذاق اڑایا گیا ،موسیقی اور رقص و سرور کو روح کی غذا بتایا گیا جس نے تخریب اخلاق و بے دینی کے عام کرنے میں سب سے بڑا رول

ادا کیا ہے، علامہ اقبال نے کیا ہی خوب کہا:

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

(بحوالہ: اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش)

امید کی کرن

خلاصہ کلام یہ کہ تعلیم کے نام پر بے دینی، تہذیب کے نام پر بے حیائی اور میڈیا کے نام پر عریانیت پھیلائی جارہی ہے اور ہماری صبح وشام اسی میں گذر رہی ہے ابھی بھی وقت ہے مسلمان بیدار ہو جائیں اور جان لیں کہ اصل آخرت ہے دنیا نہیں، اصل رضائے الٰہی ہے منصب نہیں، اصل دین ہے دنیا نہیں؛ اب بھی امید کی کرن باقی ہے بقول علامہ علی میاں ندوی اس عالمگیر صورتحال کی تبدیلی کیلئے امت مسلمہ کے موجودہ تباہ کن حالات میں انقلاب عظیم پیدا کرنے کیلئے دین کے داعیوں کو مغربی تعلیم یافتہ طبقہ پر اپنی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ اسی طبقہ کی بیراہ روی نے پوری امت مسلمہ کے عوام کو ذہنی ارتداد کے خطرے میں مبتلا کردیا ہے اسلامی ممالک کا رخ خالص اسلامیت کے بجائے خالص مغربیت کی طرف موڑ دیا ہے اور عوام کو بے زبان گلہ اور جانور کے ریوڑ کی طرح غیر اسلامی قیادت کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور ان کی اصلاح سے دوبارہ ان ممالک کا رخ مغربیت سے اسلامیت کی طرف موڑا جاسکتا ہے۔ (بحوالہ مغربی ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش)

اگر اس بے دینی وارتداد کی لہر سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا چاہتے ہیں تو خدارا اہل مغرب کی ان سازشوں کو سمجھیں اور ان راستوں سے اجتناب کریں جس کی منزل مغرب کی دمکتی ہوئی مگر اندھیری دنیا ہے جو نا قابل تلافی خطرات کا پیش خیمہ ہے:

دل کیلئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

خدا ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین!

مولانا محمد بشارت نواز
مدیر ماہنامہ ''النخیل''

مولانا ابن الحسن عباسیؒ کی یاد میں

(تڑپیں گے تری یاد میں، گھبرائیں گے تنہا)

گزشتہ چند ماہ میں اہلِ علم کا ایک بڑا قافلہ ہی دنیا سے گزر گیا، نجانے اب کے برس یہ کیسی خزاں چھائی ہے جس نے کیسے کیسے شجر سایہ دار گرا دیے، علما و مشائخ کی کثیر تعداد نے تہہ خاک اک نیا جہان آباد کرلیا ہے۔ یہ حضرات خود تو اپنے خالق کے حضور حاضر ہو گئے لیکن ہم جیسے تہی دست و تہی دامن کم نصیبوں کو کتنی ہی خیروں سے محروم کر گئے۔ کاروانِ علم و ادب کے ایک بچھڑے ہوئے مسافر مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے پیش روؤں سے مل گئے ہیں۔

فروغ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

مولانا ابن الحسن عباسی (آہ ان کے نام کے ساتھ بجائے مدظلہ العالی کے آج کس طرح مرحوم یا نور اللہ مرقدہ یا رحمۃ اللہ علیہ لکھا جائے، گو زبان و قلم کچھ روز بعد اسی کے عادی ہو جائیں گے) کا سانحہ ارتحال اہلِ علم و ادب کے لیے شدید صدمہ کا باعث ہوا۔

پانچ ماہ قبل پاؤں میں درد شروع ہوا، جسم میں نقاہت بڑھنے لگی، پچیس جولائی کو ان کا میسج آیا کہ: ''کچھ دنوں سے صاحب فراش ہوں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کمزوری اچانک بڑھ گئی ہے، پاؤں متاثر ہو گئے ہیں، چلنے پھرنے میں کافی دقت ہے، پرسوں سے ہسپتال کے چکر لگا رہا ہوں، کوئی تیس کے قریب ٹیسٹ کرائے، الحمدللہ تشویشناک بات نہیں ہے، جانا تو سب نے ہے، دعاؤں کی درخواست ہے۔'' اس اطلاع سے ایک طرف تشویش ہوئی لیکن اطمینان بھی ہوا کہ کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔ چند روز خیریت کی اطلاعات آتی رہیں، بات بھی ہوتی رہی۔ یکم اگست کو عید الاضحی کے

روز عید کی نماز پڑھ کر لوٹا ہی تھا کہ حضرت کا فون آیا، خیریت دریافت کی تو بتایا: ''کچھ بہتر ہے، عید کی نماز میں تکبیروں کی کثرت ہوتی ہے جو سکون کا باعث ہوتی ہیں، اس لیے عید کی نماز خود پڑھائی ہے، آج مدرسے میں اجتماعی قربانی کا نظم ہے، اُدھر مصروفیت رہے گی، دن میں رابطہ نہ ہو سکے گا۔'' اس کے بعد مزید کچھ اہم باتیں بھی ہوئیں۔ ان کی آواز کی نقاہت بتا رہی تھی کہ صحت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی چند روز رابطہ رہا کہ پھر اچانک ایک دن رابطہ منقطع ہو گیا۔ صاحب زادے کے ذریعے معلوم ہوا کہ برین ٹیومر کی تشخیص ہوئی ہے اور ڈاکٹروں نے فوراً سرجری کا فیصلہ کیا ہے۔ سرجری ہوئی، دس دن ہسپتال میں رہنے کے بعد گھر تشریف لے آئے۔ ہفتہ، دس دن گھر میں رہے، حالت پہلے سے بہتر ہونے لگی تو اپنے شیخ مولانا بارک اللہ المعروف بہ گڑھی بابا جی کے پاس سوات تشریف لے گئے، وہاں ایک دن قیام رہا، وہیں طبیعت پھر بگڑنے لگی، واپس کراچی جانے کا فیصلہ ہوا، اس دوران ان سے مسلسل رابطہ رہا اور نئی زیرِ ترتیب کتابوں کے بارے میں مشاورت بھی جاری رہی۔ کراچی لوٹے تو طبیعت مزید خراب ہو گئی، نیم بے ہوشی اور غنودگی رہنے لگی، دوبارہ ٹیسٹ کرایا تو پتا چلا کہ برین ٹیومر کا دوسرا حملہ ہوا ہے اور کینسر پورے جسم میں سرایت کر گیا ہے، علاج مسلسل جاری رہا، تین ماہ اسی حال میں رہے، یہاں تک کہ چودہ (۱۴) دسمبر بروز سوموار یہ مہتابِ کمال غروب ہو گیا۔ آپ ۴۸ سال کی مختصر عمر میں اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے، ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

مولانا ابن الحسن عباسیؒ (بانی ماہنامہ النخیل و مدیر جامعہ تراث الاسلام) محقق عالم، منجھے ہوئے مدرس، شفیق مہتمم اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ آپ کی وجہِ شہرت آپ کی تصنیفی خدمات ہیں۔ آپ نے ایک درجن سے زائد درسی و غیر درسی کتب یادگار چھوڑی ہیں۔ ناتمام کتب اس سے بھی زائد ہیں۔

آپ انیس سو بہتر (۱۹۷۲ء) میں خیبر پختونخوا کے علاقہ تورغر کے گاؤں ''چیرہ'' میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا، اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کا نام ''مسعود باللہ'' رکھا گیا، بعد میں آپ نے اپنے دادا مولانا حسن عباسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنا قلمی نام ابن الحسن عباسی رکھا اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ کے والد مولانا مخدوم بن مولانا حسن صاحب نے جامعہ اشرفیہ، لاہور سے درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی، انہیں مولانا ادریس کاندھلویؒ سے تلمذ اور مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ سے نسبی تعلق حاصل تھا۔

مولانا ابن الحسن عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، بعد ازاں کراچی تشریف لے آئے، بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا، اس کے بعد قاری عبدالباعث صاحب سے قرآن پاک تجوید کے ساتھ مکمل پڑھا۔ آپ نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم دارالعلوم کراچی میں حاصل کی۔ آپ نے بخاری شریف شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، ۱۹۹۳ء میں فراغت ہوئی تو اسی سال جامعہ فاروقیہ میں تدریس کی ذمہ داری سونپی گئی اور جامعہ کے شعبہ تصنیف میں آپ کا تقرر ہوگیا، جو دو ہزار دس (۲۰۱۰ء) تک برقرار رہا۔ جامعہ فاروقیہ میں دَورہ حدیث کے سال میں پڑھائی جانے والی موطا امام محمد اور شمائلِ ترمذی تک کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔ بعد ازاں آپ اپنے قائم کردہ مدرسے جامعہ تراث الاسلام تشریف لے آئے، جہاں اہتمام کے علاوہ بحیثیت شیخ الحدیث آپ نے آخر تک تدریس جاری رکھی۔

تصنیف و تالیف میں آپ کا اولین اور بڑا کارنامہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے بخاری شریف جلد ثانی کے درسی افادات (کتاب المغازی تا کتاب الرقاق) کو تحقیق وتعلیق کے ساتھ کشف الباری کے نام سے چھ جلدوں میں مرتب کرنا ہے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں سب سے زیادہ جس کتاب کو قبولِ عام نصیب ہوا، وہ ''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' ہے، جس کی اہلِ علم ونظر نے بے حد تعریف کی ہے، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مختصر عرصے میں ہندو پاک میں اس کے بیسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اسی طرح ہزاروں صفحات کے مطالعے سے منتخب دلچسپ اور عبرت انگیز واقعات وعبارات، علمی لطائف، سبق آموز قصوں اور ایمان افروز معلومات پر مشتمل آپ کی کتاب ''کتابوں کی درسگاہ میں'' بہت پسند کی گئی۔ عربی ادب کی مشہور کتابوں ''حماسہ'' اور ''مقامات'' کی شرحیں ''توضیح الدراسۃ فی شرح الحماسہ'' اور ''درسِ مقامات'' بھی آپ کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ عربی کی کلاسیکی کتابوں کی یہ شرحیں اس انداز میں لکھی گئی ہیں کہ قاری نہ صرف اصل کتابوں کے مطالب سے آگاہ ہو جاتا ہے بلکہ عربی زبان سے بھی اُس کی واقفیت میں اطمینان بخش حد تک اضافہ ہو جاتا ہے۔

۲۰۰۰ء میں وفاق المدارس کے ترجمان مجلّہ ''وفاق المدارس'' کا اجرا ہوا تو آپ اس کے مدیر مقرر ہوئے اور سولہ سال تک اس کی ادارت آپ کے ذمے رہی۔ اس طرح وفاق المدارس العربیہ کو پندرہ سال سے زائد آپ کا قلمی تعاون حاصل رہا ہے، ابھی حال ہی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں آپ کی مرتب کردہ کتاب ''وفاق المدارس العربیہ

پاکستان - ساٹھ سالہ تاریخ'' شائع ہوئی ہے۔وفاق کے لیے آپ کی خدمات کے تمام اکابر معترف ہیں، وفاق المدارس کے تمام شعبوں پر آپ کی گہری نظر رہی ہے۔ آٹھ ابواب میں تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل اس کی ''ساٹھ سالہ تاریخ'' کو مرتب کرنا آپ کا ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے۔ آپ کئی سال تک ماہنامہ الفاروق کراچی میں ''کتب نما'' کے عنوان سے کتابوں پر تبصرے بھی لکھتے رہے، ان تبصروں کا مجموعہ جامعہ فاروقیہ کے ذیلی اشاعتی ادارے ''ادارۃ الفاروق'' سے ''کتب نما'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، جس میں پانچ سو سے زائد کتابوں پر آپ کے علمی و تحقیقی تبصرے شامل ہیں۔

آپ عربی و اردو کے لائق ادیب تھے، ۲۰۰۱ء میں آپ نے روزنامہ اسلام سے کالم نگاری کا آغاز کیا، علمی و ادبی حلقوں میں آپ کے کالم بے حد مقبول ہونے لگے، آپ کی تحریروں میں اصلاح معاشرہ کا رنگ بھی ہے، ادب کی چاشنی بھی اور دعوت و تبلیغ کی خوشبو بھی۔ آپ کا اسلوب نگارش انتہائی پُرکشش تھا، جس میں درد و الم بھی ہے اور سوزِ جگر بھی۔طرزِ تحریر میں کہیں تکرار و الجھاؤ محسوس نہیں ہوتا، آپ ایک خاص طرزِ انشاء کے مالک تھے اور اس میں کسی کے مقلد نہیں، خود اس کے موجد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادب کی ایک بڑی شخصیت، مشہور نقاد ''مشفق خواجہ'' بھی آپ کی تحریروں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ کے روزنامہ اسلام اور دیگر مجلات کے لیے لکھے گئے مضامین کے چار مجموعے (کرنیں، التجائے مسافر، داستان کہتے کہتے اور قلم نما) ہند و پاک میں شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے قلم سے نکلی تحریریں علم و ادب کا قیمتی سرمایہ اور دین و دانش کا خزینہ ہیں۔ آپ تفریحِ طبع کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کسی مقصد کے لیے لکھتے رہے، اسی لیے لکھنے کے معاملہ میں کمیت سے زیادہ کیفیت ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ تحریر کی ان صفات کے مالک علماء میں اب کم ہی لوگ بچے ہیں۔

آپ نے سولہ سال قبل خواتین کے لیے ماہنامہ حیا کے نام سے ایک ڈائجسٹ نما رسالہ بھی نکالا، اس میں اسلامی مضامین، کہانیاں، ناول اور مستقل سلسلے شائع ہوتے رہے ہیں۔ دو سو چوبیس صفحات پر مشتمل یہ ماہنامہ گذشتہ پندرہ سال سے مسلسل شائع ہوتا رہا ہے۔

دو سال قبل جب آپ نے ایک علمی، تحقیقی اور ادبی مجلہ ماہنامہ النخیل کے اجرا کا ارادہ کیا تو مجھے اس میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام کرنے کی پیشکش کی، اساتذہ اور بعض دیگر کرم فرماؤں کے مشورے سے وہ پیشکش بصد شکریہ و احترام قبول کر لی۔ سینکڑوں کلومیٹر دور بیٹھ کر کام کرنا آسان نہ تھا لیکن انٹرنیٹ کے ذریعے یہ ناممکن نہ رہا، النخیل کی ذمہ داریاں ملنے کے بعد ان سے مستقل رابطہ شروع

ہوا اور روز بروز بڑھتا چلا گیا، ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی شفقت بھی بڑھتی چلی گئی۔ النخیل کی تیاری کے سلسلے میں حضرت کی توجہات اتنی بڑھیں کہ بعض اوقات کئی کئی گھنٹے فون پر رابطہ رہتا اور مشاورت چلتی رہتی، بہت باریک بینی سے چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی نشاندہی کرنا، کئی دفعہ غلطیوں پر ڈانٹنا اور غصے کا اظہار کرنا پھر کچھ دیر بعد خوش کرنے کی کوشش کرنا وغیرہ چلتا رہتا۔ النخیل کے ابتدائی ماہانہ پانچ شماروں کی اشاعت کے بعد ایک خصوصی اشاعت ''مطالعہ نمبر'' لانے کا مشورہ ہوا۔ مطالعہ نمبر کا کام شروع ہوا اور ایک سال سے زائد عرصہ اس کی تیاری میں صرف ہوا، اس دوران ان کی شفقت انتہا کو پہنچ گئی اور اعتماد میں بھی مزید اضافہ ہو گیا۔ مطالعہ نمبر ''یادگار زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ'' کے نام سے ہندوپاک میں بیک وقت شائع ہوا اور ایک ماہ کی قلیل مدت میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، جو دنیائے اسلام کی ۸۰ سے زیادہ مشہور زمانہ علمی شخصیات و اہلِ قلم کے مطالعہ اور علمی سفر کی دل نشین رُوداد پر مشتمل تحریروں کا حسین گلدستہ ہے ''جو اسی کیلئے ہی لکھی گئی ہیں''، نئی نسل کیلئے مفید کتابوں کے انتخاب اور مطالعاتی زندگی کی رہنمائی پر مشتمل تحریروں کا یہ مجموعہ ایک یادگار دستاویز ہے

چند ماہ قبل مطالعہ نمبر کا کام مکمل ہوا تو اپنے مضامین عنایت فرمائے اور انہیں مرتب کرنے کا حکم دیا، جب مضامین کا یہ مجموعہ (قلم نما) مکمل ہوا تو مجھے فرمایا کہ ''اس کا تعارف بھی لکھو! تعارف لکھنا ہے، تعریف نہیں'' میں نے پس و پیش کیا تو فرمایا: ''جیسا لکھ سکتے ہو لکھو!''، جب اس پر عرضِ مرتب کے طور پر ایک تحریر لکھ کر بھیجی تو بے حد خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

گزشتہ رمضان میں ایک رات جب مطالعہ نمبر کا کام آخری مراحل میں تھا، انہوں نے ایک ایسی بات کہی جو میرے لیے ہمیشہ سند رہے گی، مجھے جب بھی وہ جملہ یاد آتا ہے تو آنکھیں بہہ پڑتی ہیں اور میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا، ویسے تو ان سے ہوئی گفتگو کا ایک ایک لفظ میرے پاس محفوظ ہے لیکن یہ الفاظ تو گویا دل پر نقش ہو گئے، انہی کے لکھے ہوئے الفاظ من وعن نقل کرتا ہوں:

''حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کئی سال تک رمضان میں عشاء کے بعد مجلس میں شرکت رہی، اس زمانے میں میں فجر تک مسلسل پوری رات کشف الباری پر کام کرتا، پندرہ سال تو تقریباً لگے۔۔۔حضرت کا نوے فیصد تحریری کام بھی میں ہی کرتا، صدائے وفاق، صدائے حق، تسہیل الادب، خطوط، تقریظات، ماہنامہ وفاق وغیرہ بھی ساتھ چلتے رہتے، میں نے وہاں خلوص سے کام کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے ہمیں ''بشارت'' عطا کر دیا۔''

آپ کو شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے گہرا تعلق تھا، آپ حضرت

شیخ کا ذکر بے حد ادب و احترام سے کرتے تھے۔ النخیل کی خصوصی اشاعت مطالعہ نمبر پریس میں چلی گئی تو فرمایا کہ ہم النخیل کی اگلی اشاعت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر "بابائے مدارس نمبر" کے نام سے لائیں گے۔ اس خواہش کی تکمیل سے پہلے ہی آپ اپنے شیخ کے پاس پہنچ گئے۔ کیا معلوم تھا کہ النخیل کی اگلی اشاعت بانی النخیل کی حیات و خدمات پر مشتمل "ابن الحسن عباسی نمبر" ہوگی۔

آپ کا علمی شوق و ذوق فطری تھا، آپ کی زندگی کا اکثر حصہ مطالعہ اور کتب بینی میں صرف ہوتا تھا، دورانِ مطالعہ انہماک کی کیفیت رہتی، دورانِ سفر بھی مطالعہ جاری رہتا تھا۔ آپ علم کے ایک سچے طالب اور عاشق تھے۔ کتب سے سچا عشق آپ کی زندگی کی خصوصیات تھیں، یہی عشق آپ ہر طالب علم میں منتقل کرنا چاہتے تھے، "متاعِ وقت اور کاروانِ علم" اور النخیل کا مطالعہ نمبر یعنی "یادگارِ زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ" کے ذریعے آپ اس کوشش میں کسی حد تک کامیاب رہے۔ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ، کتب بینی کے ذوق میں بڑھوتری کا سبب بن رہا ہے۔

آپ اردو ادب میں جدید و قدیم کی تفریق پر دکھ کا اظہار کرتے ہوئے، ان کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج پر بے حد کڑھتے تھے، ماہنامہ النخیل کے ذریعے آپ اس خلیج کو پاٹنا چاہتے تھے، چنانچہ النخیل (شعبان ۱۴۴۰ء) کے اداریہ میں اپنے البیلے انداز میں لکھتے ہیں:

"تعلیم کی طرح ہمارا اردو ادب کا اثاثہ بھی قدیم و جدید میں تقسیم ہو چکا ہے، عصری تعلیم گاہوں اور میڈیا سے وابستہ اہل قلم کی ایک الگ دنیا ہے، اسلامی درس گاہوں سے وابستہ اہل قلم سے ان کی پہچان تک نہیں، اِدھر بھی یہی حالت ہے، دونوں کے درمیان یہ خلیج بہت بڑھ گئی ہے، حد ہے اور بے حد ہے کہ جناب سلیم اختر صاحب مرحوم اپنے سالناموں میں اردو ادب کی مطبوعات کا جائزہ لیتے رہے، کسی عالم کی تحریر کو کبھی اس میں جگہ نہیں دی، اردو سفر ناموں میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے "جہاں دیدہ" کو کون نظر انداز کر سکتا ہے، ان کی نظر سے یہ سفر نامہ بھی اوجھل رہا ...اس خلیج کو کم کرنے کی ضرورت ہے، النخیل اسی راہ پر گامزن رہے گا، وہ دونوں حلقوں کے قلم پارے سامنے لائے گا، ہماری بات دونوں حلقوں کے اکابر سے چل رہی ہے، مشہور مورخ و محقق محترم جناب پروفیسر خورشید رضوی صاحب، ماہر اقبالیات جناب ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب (ناظم مجلس ترقی ادب لاہور)، مشہور افسانہ نگار جناب اسد محمد خان صاحب نے ادارت و مشاورت میں شرکت قبول

فرمائی ہے اور بہت جلد دیگر حضرات کے نام بھی سامنے آ جائیں گے۔"

آپ کی بعض کتابوں کے نا تمام رہ جانے کا افسوس خصوصیت کے ساتھ ہے، مثلاً تکملہ معارف السنن جو تقریباً مکمل لکھی جا چکی ہے، وہ اگر شائع ہو جائے تو بہت بڑا کام ہو گا۔ توضیح الباری (شرح بخاری) سمیت متعدد اور عنوانات بھی آپ کے ذہن میں تھے، کئی پر کام آخری مراحل میں تھا، سب کے سب اہم اور ضروری ہیں۔

مزاج میں انتہائی سادگی اور بے تکلفی تھی، اپنی بڑائی اور اپنے کمالات کا شاید انہیں وسوسہ بھی کبھی پیدا نہیں ہوا۔ اپنے سے چھوٹوں کی بات کو اس توجہ سے سنتے کہ وہ گویا ان کے ہمسر ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنے چھوٹوں کو اتنا بڑھاتے کہ وہ بے چارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے۔ جدید فتنوں اور شذوذ و تفرد کے معاملہ میں بہت زیادہ حساس تھے، جمہور اسلاف کے مزاج و مذاق کے پابند اور امین تھے، جہاں بھی انحراف اور کجی محسوس کرتے وہاں بہانگِ دہل اس کا اظہار کر دیتے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی اقتدا میں ۱۵ دسمبر صبح دس بجے ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جنازے سے واپس جا کر دورہ حدیث کی درس گاہ میں حضرت شیخ الاسلام نے آپ کو خراج تحسین پیش فرمایا، اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

"مولانا ابن الحسن عباسی بڑے ہونہار نوجوان، بہترین لکھنے والے تھے، انشاء پردازی میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ تھے، بڑے فاضل نوجوان تھے، بڑی خدمات انجام دی ہیں، ہماری ان پر بڑی نگاہیں تھیں کہ ان شاء اللہ یہ بہت خدمت کریں گے، ماشاء اللہ وہ بڑے معتدل مزاج تھے، لغویات، طعن و تشنیع، تمام باتوں سے کوسوں دور تھے۔"

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

انہوں نے اہلیہ، پانچ بچوں (تین بیٹوں اور دو بیٹیوں)، سینکڑوں تلامذہ اور بیسیوں متعلقین سمیت ایک "غمزدہ رفیق" کو سوگوار چھوڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے جاری کردہ علمی سلسلوں کو جاری و ساری رکھے۔

مولانا محمد اسرار مدنی

منشی نول کشور کا مسلم علمی ورثہ کی اشاعت میں اہم کردار

برصغیر کی قدیم روایت میں بین المذاہب رواداری ایک ایسا عنصر ہے جس کی عملی مثال میں صرف لوگوں کے روزمرہ کے باہمی تعامل کو ہی نہیں پیش کیا جاسکتا بلکہ اس کی حدود میں فکری و علمی مثالوں کی بھی بھر مار ہے۔اس پر تو جدید ہندوستان کی تاریخ وتہذیبی روایت بھی مہر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ ہندو مذہب کے ماننے والوں کے طرز بودو باش میں مسلم ثقافت کے اثرات نمایاں ہیں، جبکہ ہندو مذہب کی علمی وفکری تاریخ اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کے علوم وفنون پر صرف مسلمانوں کو ہی دسترس حاصل نہیں تھی بلکہ اس شعبے میں درجنوں ایسے ہندوں علماء، مفکرین و ادباء کے نام لیے جاسکتے ہیں جو مسلم علوم وفنون کی نہ صرف یہ کہ سمجھ رکھتے تھے بلکہ ان میں گہری فنی مہارت بھی رکھتے تھے اور انہوں نے اس میں طبع آزمائی بھی کی۔

منشی نول کشور اور مسلم علمی ذخائر کی نشرواشاعت

منشی نول کشور کی شخصیت اس کی ایک بہترین و قابل قدر مثال ہے، ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد جب مسلمانوں کو شدید دھچکا لگا تھا، دہلی کی علمی روایت اجڑ گئی اور مسلمان مجموعی طور پہ کمزور ہو گئے تھے ،ایسے میں میں منشی نول کشور نے مسلم علمی روایت کو نہ صرف محفوظ کرلیا بلکہ اس میں ایک نئی روح پھونک دی۔دارالعلوم دیوبند کی اپنی یادداشتوں میں درج ہے کہ اس وقت ادارے میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ طالبعلوں کیلئے کتابیں پوری کرپاتا، تب منشی نول کشور دارالعلوم کی اسلامی کتابیں شائع کرکے اسے ہدیے میں دیتے رہے۔

مسلم علمی ذخیرے کی نشرواشاعت میں بعض ہندوؤں کا حصہ

منشی نول کشور کے علاوہ بھی متعدد ایسی ہندو شخصیات گزری ہیں ہیں جنہوں نے اسلامی علمی روایت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔ یہ درست ہے کہ برصغیر کا مسلم فکری ذخیرہ متنوع الجہات تھا جس کی مثال برصغیر کے کسی اور مذہب میں نہیں پائی جاتی تھی۔ یہ نیا رجحان سوچنے سمجھنے والوں کے لیے پرکیف وپرتجسس تھا جس کی وجہ سے ہندو مذہب کی کئی شخصیات اس جانب متوجہ ہوئیں۔ تاہم یہ

ربط محض تہذیبی تعارف تک محدود نہیں تھا بلکہ اس عملی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ ان کا مسلم روایت کے ساتھ تعلق ایک گونہ انس ومحبت کا بھی تھا۔

منشی نول کشور ہی کے مطبع میں کام کرنے والے کئی ایسے ہندو تھے جو اسلامی کتب کا ترجمہ کرنے پر مامور تھے۔ متعدد ایسے افراد کا نام آتا ہے جو مسلم دینی علوم کی کتب کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایسی ہندو شخصیات کے نام بھی موجود ہیں جنہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ مثال کے طور پہ پنڈت کیلاش ناتھ برہست نے امام الدین رام نگری کے ساتھ مل کر مولانا صدرالدین کے اردو ترجمہ کو ہندی کی شکل دی تھی۔ اس ترجمے کا کچھ حصہ ۱۹۵۵ء میں جماعت اسلامی رامپور نے بھی شائع کیا تھا۔ ہندی کے مشہور شاعر ہرش چندر نے بھی قرآن کریم کا ترجمہ شروع کیا تھا جو ۱۸۷۷ء میں ایک ہندی رسالے میں قسط وار شائع ہونا شروع ہوا تھا، اگرچہ یہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ اسی طرح کنہیا لال لکھداری نام کی ایک ہندو شخصیت کا ترجمہ دھرم سبھا لدھیانہ سے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا تھا جو ۴۱۵ صفحات پر مشتمل تھا۔ متن کے بغیر اس ترجمہ کی تیاری میں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن سے مدد لی گئی تھی۔ یہ سردار جگجوت سنگھ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ ترجمے کے پہلے صفحے پر مترجم کی تصویر بھی چھپی تھی جو مذہبا ہندو تھا۔

ہندو مذہب کے بعض پیروکاروں کا مسلم علمی روایت سے ربط

ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والی کئی ایسی نامور شخصیات بھی گزری ہیں جنہوں نے اسلامی علمی روایت کی دقیق مباحث پر بھی زبردست کلام کیا ہے۔ ہندو مذہب کی اہم شخصیات کے اس طرح مسلم روایت سے ربط کا یہ اثر ہوا کہ عام ہندو لوگ کثرت کے ساتھ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ ان علمی شخصیات میں سے ایک نام مالک رام کا بھی ہے جن کی اسلام سے متعلق لکھی گئی کتب کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ ہندو تھے۔ مثال کے طور پہ ان کی ایک کتاب عورت اور اسلامی تعلیم کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں عورتوں کے حقوق کو اسلام کے تناظر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں قرآنی آیات و احادیث کو کثرت کے ساتھ شواہد میں پیش کیا گیا ہے۔ نہ انہوں نے ترجمے میں کوئی خیانت کی اور نہ ہی اسلامی تصور کو مسخ کیا۔ انہوں نے اس میں عورت کی آدھی گواہی کے اسباب اور وراثت میں اس کے حصے کے عدم مساوات پر بھی تفصیلی کلام کیا ہے۔

مسلم علمی ورثے سے بعض ہندوؤں کی عقیدت

یہ ہندوؤں کے مسلم علمی ورثے میں حصے کی چند مثالیں ہیں، اگر مذہب اسلام اور اس کے

شعائر سے عقیدت و جذباتی ربط کی بات کی جائے تو ایک فہرست ان شخصیات کی بھی بنتی ہے جو مذہب کے اعتبار سے ہندو تھے لیکن انہوں نے اپنے فن کے ذریعے اسلام اور اس کے شعائر سے عقیدت کے بے پایاں اظہار کیا، بہت سارے ایسے ہندو تھے جنھوں نے حمد لکھی اور نعت گوئی کی، لچھی نرائن کا معراج نامہ اور راج مکھن لال کا نعتیہ کلام اس صنف کے کے بڑے نمونے ہیں۔شو پرشاد لکھنوی، مہاراجہ سر کشن، دلورام کوثری، پنڈت بالکمند عرش، جگن ناتھ آزاد، کرشن بہاری، کنور مہندر سنگھ بیدی جیسے مزید نام بھی اس میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔یہ لوگ اپنے مذہبی حلقے میں بھی بہت محترم تھے اور انہوں نے اسلام سے بھی کھلے عام عقیدت کا اظہار کیا۔درجنوں ایسے ہندو ادیب و شعرا گزرے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی طرح عمدہ مرثیہ نگاری بھی کی ۔یہ چند ایسی مثالیں ہیں جن سے مقصود اس بات کا اظہار ہے کہ ہندوں کا مسلم علمی ،فکری وتہذیبی روایت کے ساتھ کیا تعلق رہا ہے اور انہوں نے اس کے تعارف وترویج میں کیا کردار ادا کیا۔

منشی نول کشور کی علمی خدمات پر کاوش

انہی شخصیات میں سے ایک منشی نول کشور کی خدمات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی،راقم کے طالب علمی سے کتابوں، مخطوطات ومطبوعات سے جنونی حد تک عشق ہے، بہت سے پرانے کتابوں پر ''منشی نول کشور'' کا نام نظر سے گذرا،ایک بار پٹنہ کے امیر حسن نورانی کی تفصیلی کتاب سوانح منشی نول کشور پڑھنے کا موقع ملا، کتاب کے آخر میں مطبوعات کی فہرست دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ایک ہندو مذہب کا طابع اتنا عظیم کام اکیلے کیسے کرسکتا ہے؟ برطانوی استعمار کی برصغیر پر قبضے کے بعد اگر مسلم علمی روایت کا احیاء اور نشاۃ ثانیہ اگر کسی نے کیا ہے تو ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے منشی نول کشور ہی ہیں۔منشی صاحب کی اس عظیم الشان علمی خدمات پر وہ پوری امت مسلمہ کی طرف سے شکریے اور تحسین کے مستحق ہیں۔مختلف کانفرنسز اور علمی مجالس میں علوم اسلامیہ اور شعر وادب کے طلباء واساتذہ سے منشی صاحب کے بارے میں گفتگو ہوئی تو بیشتر لوگ بالکل بے خبر تھے۔اسی دن فیصلہ کیا کہ اگلے نسل کو رواداری اور باہمی احترام پر مبنی اس روایت سے روشناس کرنے کیلئے منشی صاحب کی شخصیت کو پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ حقیری سی کاوش جہاں مسلم اور ہندوؤں کے مابین مذہبی رواداری کو فروغ دے گی وہاں ہندوں کی مسلم تہذیبی روایت کیساتھ علمی وفکری تعلق کو آشکارا کرے گی۔

بحث ونظر

مفتی محمد راشد ڈسکوی٭

تبلیغی مراکز واجتماعات میں لاؤڈ اسپیکر کے بغیر نماز پڑھانے کا مسئلہ اور کچھ وضاحت

اس بار ۲۰۱۹ء کے سالانہ رائیونڈ تبلیغی اجتماع میں شرکت ہوئی ، ماشاء اللہ اخلاص وللّٰہیت والے اُس خالص موحول میں ایمانی طبیعت میں بہت تازگی ہوئی، آخری دن مغرب کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد ابراہیم دیولہ صاحب زید مجدہم کا بیان چل رہا تھا، بندہ آگے سے اٹھ کر کسی حاجت کی بنا پر پیچھے کی طرف نکلا تو ایک آواز کانوں میں پڑی: ’’مفتی صاحب! ایک منٹ کے لیے رُکیے گا‘‘ بندہ نے آواز کی طرف دیکھا تو مولانا حافظ صاحب حفظہ اللہ تھے، جو بیس کے قریب افراد میں دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے، میں اُن کی طرف بڑھا تو اس جھرمٹ میں ایک اور بڑے مولانا صاحب زید مجدہم بھی تشریف فرما تھے، بندہ ٹھٹکا کہ اللہ خیر کرے کہ کیا معاملہ درپیش ہے؟ بیٹھتے ہی حافظ صاحب بولے کہ مفتی صاحب! یہ بتائیں کہ یہاں اجتماع میں اور مراکز میں نماز اسپیکر پر کیوں نہیں ہوتی؟ بندہ کے ذہن میں چلتے کئی طرح کے خیالات کو گویا ایک رُخ ملنے پر قرار مل گیا کہ اچھا یہاں بھی ہر بار پیش آنے والا یہ مسئلہ اور ہر خاص وعام کے ذہن میں اٹھنے والا سوال ہی درپیش ہے، میں نے بڑے مولانا صاحب کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ حضرت موجود ہیں اِن سے دریافت کریں تو حضرت نے مسکرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری تو بات چل ہی رہی تھی آپ اس بارے میں فرمائیں کیونکہ آپ مفتی بھی ہیں، اور رائیونڈ ہی کے پڑھے بھی ہوئے ہیں،اس پر بندہ نے حافظ صاحب کو عرض کیا کہ یہاں اسپیکر پر نماز نہ پڑھانے کے بارے میں بندہ نے اپنے بڑوں سے یہ سنا ہے کہ یہ بات نہیں کہ اسپیکر میں نماز پڑھنا یا پڑھانا درست نہیں ، بلکہ اس طرح نماز پڑھنا اقرب الی السنۃ یعنی: سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہے۔ (مطلب یہ کہ جس طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں نماز کسی بھی مشینی واسطے کے بغیر ہوتی تھی، اسی طرح یہاں

٭ دارالافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ سیالکوٹ، سابق استاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف، جامعہ فاروقیہ، کراچی

بھی کوشش ہوتی ہے کہ نماز جیسی اہم عبادت میں جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز ہو رہی ہو تو کوئی مشینی واسطہ درمیان میں نہ ہو۔) اس پر حافظ صاحب بولے کہ پھر اقامت، خطبہ اور بیانات کیوں اسپیکر پر ہوتے ہیں؟ تو بندہ نے عرض کیا کہ نماز: عبادتِ مقصودہ ہے، اور اقامت: برائے نماز ہے، صفوں کی درستگی ہے، اس کے لیے اقامت کی آواز کا کانوں میں پڑھنا ضروری ہے کہ سب نماز کے لیے پوری طرح تیار ہو جائیں اور صفیں بروقت سیدھی ہو جائیں۔

خطبہ جمعہ اسپیکر پر اس لیے ہوتا ہے کہ خلقِ خدا کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا یہ سمندر خطبے کے دوران دوسرے کاموں میں مشغولیت کی وجہ سے کراہت تحریمی سے بچ جائے۔ (مطلب یہ کہ خطبہ شروع ہو جانے کے بعد چونکہ ہر طرح کا کام حاضرین کے لیے ناجائز ہو جاتا ہے، اس لیے اگر خطبہ جمعہ کی آواز اُن کے کانوں میں پڑے گی تو وہ اپنے آپ کو کراہت تحریمی سے بچا سکیں گے) اور بیانات وخطبات تو تذکیر وتبلیغ کے لیے ہوتے ہیں، اگر آواز ہی حاضرین تک نہ پہنچ پائے تو اُن کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، اس لیے ان کیلئے اسپیکر کا استعمال لابدی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جہاں اسپیکر کا استعمال شرعاً یا انتظاماً ضروری ہے وہاں کرلیا جائے اور جہاں اس کے استعمال کی ضرورت نہ ہو تو وہاں بچا جائے تو میرا خیال ہے کہ اِس پر کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔

میری اس بات کے بعد بڑے مولانا صاحب گویا ہوئے کہ یہ بتائیں قرآن میں ہے: وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ اسپیکر کے بغیر ''استماع'' اور ''انصات'' پر عمل کیسے ہوگا؟ میں نے عرض کیا حضرت! ''انصات'': خاموشی اختیار کرنے کو کہتے ہیں، وہ تو اسپیکر ہو یا نہ ہو، یعنی امام کی آواز کے وقت بہرصورت ضروری ہے ہی اور ''استماع'' کا معنی ومطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر آواز آ رہی ہو تو اس کو توجہ سے سنا جائے اور اگر آواز نہ آ رہی ہو تو اس طرف دھیان رکھا جائے، جیسے: مقتدی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری وچوتھی رکعت میں امام کی طرف محض توجہ رکھے گا، چنانچہ اگر نماز اسپیکر پر نہ پڑھائی جا رہی ہو جس کی وجہ سے امام کی قراءت کی آواز مقتدیوں تک نہ آ رہی ہو تو مقتدی صرف اپنی توجہ امام کی طرف رکھے، اتنا کافی ہے۔

حضرت فرمانے لگے کہ اسپیکر کے استعمال میں انتشار سے بچاؤ ہے، نمازیوں کی نمازیں خراب ہونے سے بچانے کا محفوظ راستہ ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اتنے بڑے مجمع میں نمازیوں کی حفاظت کا جتنا محفوظ راستہ مکبرین کی صورت میں ہے اُتنا تو اسپیکر کی صورت میں ممکن ہی نہیں ہے، بجلی اور مشینری کا کیا بھروسہ، کس وقت دغا دے جائے! ایسی صورت میں اتنے کثیر مجمع کی نماز کا فساد

یقینی ہے، بخلاف مکبر ین کی صورت کے کہ بجلی ہو یا نہ ہو، اسپیکر ہو یا نہ ہو بہر صورت نماز کی صحت یقینی ہے، اور اس پر مستزاد یہ کہ اسلام کی ابتداء سے اسپیکر کی ایجاد اور اس کے بارے میں جواز کے فتاویٰ سے قبل تک مجمع کثیر میں نمازوں کے لیے مکبر ین کی ہی ترتیب تھی۔ (بلکہ اب تو مراکز واجتماعات میں مکبر اول کے سامنے اسپیکر کھلا ہوا ہوتا ہے، امام کی آواز مکبر تک پہنچتی ہے اور مکبر کی تکبیروں کی آواز براہِ راست بھی اور اسپیکر کے واسطے سے بھی دوسرے مکبر ین تک پہنچتی ہے، یہ صورت تو اور بھی زیادہ تحفظ والی ہے۔) حضرت فرمانے لگے کہ جب نماز میں اسپیکر استعمال نہیں کرتے تو جمعہ کے خطبہ میں کیوں کرتے ہیں؟ اس میں بھی مکبر ین کی صورت اپنائیں، جیسے: امام سرخسی رحمہ اللہ کنویں سے منڈیر پر بیٹھے ہوئے تلامذہ کو مسائل فقہیہ املاء کرواتے تھے اور وہ آگے دوسروں کو املاء کرواتے تھے، یا بڑے بڑے محدثین کے ہزاروں تلامذہ کے مجمعوں میں ہوتا تھا، ایک کے بعد دوسرا شاگرد آگے سے آگے املاء کرواتا تھا۔

بندہ نے عرض کیا، حضرت! جمعہ کے خطبہ میں اسپیکر کا استعمال بندہ کے گمان میں تو محض اس لیے ہے کہ حاضر مجمع کراہت تحریمی سے بچ جائے اور ائمہ ومحدثین کا شاگردوں کا مجمع تو درس وتدریس اور روایتِ حدیث کا مجمع ہوتا تھا، وہاں تو اسی چیز کے مقصود ہونے کی وجہ سے یہی طرز انتظام ضروری تھا لیکن یہاں تو عبادت کا مسئلہ ہے نہ کہ درس وتدریس وروایتِ حدیث کا۔ حضرت فرمانے لگے اچھا یہ بتاؤ کہ محدثین ائمہ کے دور میں ان کے دروس وعلمی مجالس میں جب اتنا مجمع ہوتا تھا تو وہاں جمعہ کے خطبہ کے لیے کیا صورت اپنائی جاتی تھی؟ بندہ نے مسکراتے ہوئے عرض کیا حضرت! اس کا جواب تو آپ کے ذمہ بنتا ہے نہ کہ ہمارے ذمہ، اس پر سب حاضرین ہنس پڑے، بندہ نے مزید عرض کیا کہ حضرت! یہ حضرات (جو ہمارے موجودہ تبلیغی نظام کے بڑے ہیں) سب جید قسم کے اہلِ علم ہیں، اکابرین ہیں ہمیں اُن پر اعتماد رکھنا چاہیے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں سوچ سمجھ کر ہی کر رہے ہیں، حضرت فرمانے لگے یہ بات درست ہے لیکن ہمیں تو کوئی مضبوط فتویٰ یا تحریر دکھاؤ جس میں کوئی تسلی بخش بات ہو، میں نے عرض کیا کہ ان شاء اللہ دیکھتے ہیں، یہ کہہ کر بندہ وہاں سے سلام لے کر اٹھ گیا۔

اس سب کے بعد بندہ سوچتا رہا کہ ایک ایسے وقت میں جب کہ عوام الناس کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع ایک نیت اور جذبے کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوا ہے مسلسل تربیتی بیانات ومجالس کا ایک تسلسل قائم ہے، اس طرح کی مجلس لگانا اور عوام کالانعام کے سامنے ایسی بحث چھیڑنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں تھا، عوام کو تو یکسو اور مطمئن کرنا چاہیے نہ کہ تشکیک کا بیج ان کے ذہنوں میں ڈال دینا۔ یہ ایک

علمی مسئلہ ہے اسے اہلِ علم کے درمیان ہی باقی رہنا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ اس مسئلہ کی علمی حیثیت کو سوچا جائے تو نتیجہ صرف افضل وغیر افضل کی صورت کے اختیار کرنے یا ترک کرنا کا بنتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اسپیکر پر نماز کے جواز پر موجودہ دور میں تو گویا اجماع قائم ہو چکا ہے، خود رائیونڈ و نظام الدین کے اکابرین بھی اسپیکر پر جواز کے قائل ہیں، ایک بار بندہ نے خود دورہ حدیث کے سال استاذ محترم حضرت مولانا محمد جمیل صاحب مرحوم قدس سرہ (امام تبلیغی مرکز رائیونڈ) سے سوال کیا کہ حضرت! یہاں مرکز میں اسپیکر پر نماز کیوں نہیں ہوتی؟ حضرت رحمہ اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا: بھائی! ہم اسے ناجائز نہیں کہتے، لیکن ایک بات بتاؤ؛ جنگل میں قسما قسم کے جانور ہوں، اُن میں شکاری شکار کرتے کرتے کسی جانور کی نسل کو ہی ختم کرنے کے درپے ہو جائیں، مثلاً: شیر کا شکار اتنا کریں اتنا کریں کہ پورے جنگل میں اس نسل کے شیروں میں سے صرف ایک شیر باقی بچے تو مجھے بتاؤ کہ اس شکاری کو اس شیر کا شکار کرنے کا بھی مشورہ دے دینا چاہیے، یا اُسے اُس شیر کے شکار سے روک دینا چاہیے، کہ بھائی! اِس کا شکار مت کرو، ورنہ اِس شیر کی نسل ہی ختم ہو جائے گی، اِس کا وجود ہی مٹ جائے گا، اِس کو چھوڑ دو، تاکہ کم از کم اِس کی نسل تو باقی رہے تو میرے بچو! پوری دنیا میں یہ تبلیغی مراکز واحد ایک ایسی جگہ ہیں جہاں نماز جیسا فریضہ (ایجادات سے دور ہونے کی وجہ سے) اُسی طرز اور نہج پر قائم ہے جیسے جنابِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قائم تھا، اب بتاؤ! کیا تم اس بات کو چاہتے ہو کہ پوری دنیا میں موجود اِس ایک جگہ میں موجود نماز کے اِس طریقہ کو بھی ختم کروا دیا جائے، یا اِسے باقی رکھنا چاہیے؟۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب قدس سرہ رائیونڈ مرکز کے بزرگ حضرت مولانا احسان الحق صاحب زید مجدہم کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> ''دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والے حضرات کی بنیادی پالیسیوں میں اہم ترین پالیسی اور بنیاد یہ تھی کہ اس کام کو جدت سے بچتے ہوئے، جتنا زیادہ سے زیادہ سادگی کے قریب رکھا جاسکتا ہے، رکھا جائے، (الا ماشاء اللہ) چنانچہ! اسی کا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اس کام کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیتِ عامہ عطا فرمائی، ہر غریب سے غریب شخص (شہری ہو یا دیہاتی، ان پڑھ، جاہل ہو یا پڑھا لکھا اور عقل مند، علاقے کے اعتبار سے، رنگ ونسل کے اعتبار سے کوئی بھی ہو، وہ) اس کام کو اختیار کرنے میں کسی قسم کی جھجک ورکاوٹ محسوس نہیں کرتا۔

اس بنیاد کے تحت آپ حضرات کے ہاں آلاتِ جدیدہ کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے، حتی کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اجتماعات کا مواقع پر مراکز کی طرف جو خطوط ارسال کیے جاتے ہیں، انہیں کمپوز کر کے پرنٹ وغیرہ کروانا تو دور کی بات ہے، انہیں تو فوٹو کاپی تک کروائے بغیر ہر ہر مرکز کے لیے جداگانہ طور پر قلم سے لکھوایا جاتا ہے، نیز! اسی بنیاد کا اثر ہے کہ آپ حضرات کے ہاں نمازوں میں ابھی تک لاؤڈ اسپیکر کے استعمال نہیں کیا جارہا، یقیناً! مکبرین کے منضبط اور مضبوط نظام کے ساتھ یہ فعل اقرب الی السنۃ ہے اور یہی بات کہہ کر ہم لوگوں کو مطمئن کرتے ہیں"۔

حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ نماز کے وقت مکبروں کو مقرر کیا جائے یا لاؤڈ اسپیکر بہتر ہے؟ تو حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''بہتر تو یہی ہے کہ بوقتِ کثرتِ نمازیوں کے مکبر ہی کا انتظام کیا جائے اور یہ آلہ استعمال نہ کیا جائے ہاں! اگر ایسی کثرت ہو کہ مکبرین کے انتظام میں بھی دشواری ہو تو اس آلہ کے استعمال کی گنجائش ہے اور نماز دونوں صورتوں میں ہو جائے گی، فقط واللہ اعلم۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۴۸۳)

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا ایک فتویٰ بھی اس جگہ ملاحظہ فرمالیجیے!

''اسپیکر پر نماز پڑھانا ضرورت کے مواقع پر (مثلاً: نمازیوں کی کثرت اور نمازیوں تک امام کی آواز نہ پہنچنے کی بناپر) جمہور علماء کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اسپیکر کی ایجاد کے ابتدائی دور میں اہلِ علم کی آراء نماز میں اس کے استعمال کے حوالے سے مختلف تھیں کہ آیا اس کی آواز کی بنیاد پر مقتدی کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور اس اختلاف کا منشا یہ تھا کہ خود سائنس دانوں کا اس نکتے پر اختلاف تھا کہ آیا اسپیکر سے سنائی دینے والی آواز قائل کی اصل آواز ہی ہے یا اس کی صدائے بازگشت؟ دونوں آراء تھیں، نتیجۃً اہلِ علم میں بھی دونوں آراء سامنے آئیں اور اسی بنا پر بعض اہلِ علم نے احتیاطاً فرض نماز میں اس کے استعمال کو منع کیا۔ لیکن بعد میں تقریباً تمام اہلِ علم اس کے استعمال کے جواز پر متفق ہوگئے، تبلیغ سے وابستہ بزرگان وعلماء بھی لاؤڈ اسپیکر میں نماز کے جواز کے قائل ہیں، باقی ان کا نماز کے دوران لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کرنا عدمِ جواز کی بنیاد پر نہیں، بلکہ مرکز کے بعض بزرگوں نے خاص ذوق کی بنا پر اس سلسلے کو دو وجہ سے برقرار رکھا ہے:

۱) جب بعض اکابر علماء نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے احتیاطاً منع کیا تھا اور وہ اسی

رائے کے ساتھ دنیا سے تشریف لے گئے تو آج بھی احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اس کا استعمال کم سے کم کیا جائے، لہٰذا نماز میں چونکہ اقتدا کی صحت وعدمِ صحت کا مسئلہ ہے، اس لیے نماز بغیر اسپیکر کے پڑھائی جائے، جب کہ اذان واقامت میں چونکہ ایسی کوئی وجہ نہیں اسلئے وہ اسپیکر پر دی جاتی ہیں۔

۲) قرونِ اولیٰ میں جب مجمع زیادہ ہوتا تھا تو نماز میں مکبرین کے ذریعے آواز پہنچائی جاتی تھی، نماز جیسی عظیم عبادت کی ادائیگی کی ایک مثالی صورت جو قرونِ اولیٰ میں مکبرین کا نظم قائم کرکے اختیار کی گئی، اس ترقی یافتہ دور میں قرونِ اولیٰ کی اس سنت کا احیاء اور نئی نسل کو سادہ انداز میں نماز کے ان احکامات کا عملی صورت میں مشاہدہ کرواکر علم منتقل کرنا اسکا ایک مقصد ہے، اگر تبلیغ سے وابستہ حضرات بھی یہ سلسلہ ختم کردیں تو شاید دورِ جدید میں دورِ قدیم کی اس سنت کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

باقی بزرگانِ تبلیغ نماز میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے جواز کے قائل ہیں؛ اسی لیے بعض اوقات مجمع بہت زیادہ ہونے پر بوقتِ ضرورت لاؤڈ اسپیکر کا استعمال مشاہدے میں آجاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر: 143909201506 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ نے اسی بارے میں جو تفصیل قلم بند فرمائی وہ بھی بہت سے فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قابل دید ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(سوال) ایک مسجد بہت بڑی اور مصلی بھی بہت ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مسجد کا جماعت خانہ بھر جانے کے بعد باہر صحن پر ہوجانے کے باوجود نمازی بچ رہتے ہیں، ایسی مسجد کے لئے امام کی قراءت سننے کے واسطے لاؤڈ اسپیکر سے آواز پہنچانا کیسا ہے؟ اور نماز کے اعلان کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

(الجواب) (الف) لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ جو آواز دور کے مصلیوں تک پہنچتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے یا (صدائے گنبد کے مانند) نقلی دوسری آواز ہے، اس میں سائنسدان مختلف ہیں، نقلی آواز ہے تو اس پر اقتداء صحیح نہیں ہے اس لئے کہ صحتِ اقتداء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جس کی آواز پر اقتداء کا مدار ہی وہ مکلف ہو، ورنہ جس نے اس آواز کی اقتداء کی ہے اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، "اِعلَم أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا كَبَّرَ لِلِافْتِتَاحِ لَا بُدَّ لِصِحَّةِ صَلوتِهٖ مِنْ قَصْدِهٖ بِالتَّكْبِيْرِ الْإِحْرَامِ، وإِلَّافَلَا صَلوٰةَ لَهٗ، إِذَا قَصَدَ الْإِعْلَامَ فَقَطْ فَإِنْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ فَحَسَنٌ، وكَذَا الْمُبَلِّغُ إِذَا قَصَدَ بِهِ التَّبْلِيْغَ فَقَطْ خَالِيًا عَنِ الْإِحْرَامِ فَلَا صَلوٰةَ لَهٗ وَلَا لِمَنْ يُصَلِّيْ بِتَبْلِيْغِهٖ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ لِأَنَّهُ اقْتَدٰى بِمَنْ لَمْ يَدْخُلْ فِي الصَّلٰوةِ" (طحطاوي على الدر المختار، ج:۱، ص: ۸۲۳)

(ب) اور اگر لاؤڈ اسپیکر کی آواز گنبد کی آواز کی طرح نقلی نہیں ہے، امام کی اصلی آواز ہے تو اس صورت میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ اس سادگی اور بے تکلفی کے خلاف ہے جو اسلامی عبادات کی خصوصیت ہے اور ظاہر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں سراسر تکلف ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عبادتوں میں تشدد اور تکلف من جملہ اُسبابِ تحریفِ دین ہے اور یہ وہی بیماری ہے جس میں یہود و نصاریٰ کے راہب مبتلا ہوئے تھے (حجة الله البالغه)

(ج) اس کے علاوہ بہت زیادہ قابل توجہ یہ ہے کہ خشوع نماز کی جان ہے لاؤڈ اسپیکر کا تماشہ اس خشوع میں خلل انداز ہوتا ہے، نماز کی اسی روح کے پیش نظر زیادہ چیخ کر پڑھنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے اور اعتدال کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (بنی اسرائیل) (اور اپنی جہری نمازوں میں نہ تو زیادہ زور سے پڑھو، نہ بالکل آہستہ، ان دونوں کے بیچ درمیانی راہ اختیار کرو)(بیان القرآن، ج:۶، ص:۶۰۱) آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ درمیانی آواز سے پڑھنے میں دل پر اثر ہوتا ہے اور حد سے تجاوز کرنے میں حضور قلب میں خلل آتا ہے۔

(د) رات دن کا مشاہدہ ہے کہ بجلی خراب ہوجاتی ہے یا خود لاؤڈ اسپیکر میں خرابی آجاتی ہے تو انتشار پیدا ہوجاتا ہے خصوصاً پچھلی صف والوں کو امام کے رکوع سجدے کی خبر بھی نہیں ہوتی، انتشار نماز کا خطرہ خود موجب کراہت ہے۔

(ہ) شریعت کا اصول ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت، خرابی کو دور کرنا اور اس سے احتراز مقدم ہے۔ "الاشباہ والنظائر" میں ہے: ''وَهِيَ دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ، فَإِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَةٌ وَمَصْلَحَةٌ قُدِّمَ دَفْعُ الْمَفْسَدَةِ غَالِبًا، لِأَنَّ اعْتِنَاءَ الشَّارِعِ بِالْمَنْهِيَّاتِ أَشَدُّ مِنْ اعْتِنَائِهِ بِالْمَأْمُورَاتِ''(ص: ٤١١، حصه قواعد ، القاعده الخامسة : الضرر يزال) (یعنی) فائدہ حاصل کرنے کی بہ نسبت خرابیوں کا دور کرنا مقدم ہے پس جب مفسدہ اور مصلحت کا تعارض ہو تو عام طور پر مفسدہ کو مصلحت پر مقدم کیا جائے گا اور ترک کردینے کا حکم دیا جائیگا کیونکہ شرعیات میں مامورات کی بہ نسبت منہیات سے احتراز کا زیادہ اہتمام اور تاکید ہے۔ دیکھیے! وضو اور غسل میں غرغرہ سنت ہے، مگر پانی گلے میں اُتر جانے کے خوف سے روزہ دار کیلئے ممنوع ہے، اسی طرح داڑھی کے بالوں کا خلال سنت ہے مگر حالت احرام میں بال ٹوٹ جانے کے ڈر سے مکروہ ہے۔

الحاصل نماز میں امام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال میں فائدہ کی بہ نسبت خرابی کا پلہ

بھاری اور غالب ہے، لہٰذا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ نماز کی صحت اور تکمیل امام کی قراءت سننے پر موقوف نہیں ہے اور تکبیراتِ انتقال سننے کی ضرورت جن پر اقتداء اور رکوع وسجود کا مدار ہے وہ مکبرین کے انتظام سے پوری ہو جاتی ہے، رہا نماز میں دل لگنے کا مسئلہ تو کیا مغرب کی اخیری رکعت میں اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعتوں اور ظہر وعصر کی چاروں رکعتوں میں قراءت سنائی دیتی ہے؟ ارشاد خداوندی ہے وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا جب قرآن شریف پڑھا جائے تو کان لگا لو اور خاموش رہو۔ یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ امام کی قراءت ضرور سنو، بلکہ حکم یہ ہے کہ کان لگا لو، آواز آئے یا نہ آئے، کان لگانے کا ثواب مل جائے گا۔ بہر حال عبادات؛ خصوصاً نماز کی ادائیگی میں سلف صالحین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے اور اسی میں دین ودنیا کی کامیابی اور مذکورہ بالا مفاسد سے نجات ہے۔ خطبہ میں بھی اس [اسپیکر] کا استعمال مناسب نہیں ہے، خطبہ کی شان کے خلاف ہے اور کبھی بگڑ جانے کی صورت میں حاضرین میں انتشار اور تشویش پیدا ہو جانے کا باعث ہو سکتا ہے، لہٰذا عدمِ استعمال ہی اولیٰ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ، کتاب الصلوٰۃ، متفرق الصلوٰۃ: ۶/۴۰)

اسی بارے میں فتاوی رحیمیہ سے ہی ایک اور سوال وجواب ملاحظہ کی جائے:

(سوال) نماز میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے استعمال کے متعلق آپ کے فتاویٰ رحیمیہ (ص: ۹۰، ج: ۱، نیز؛ ص: ۲۰۷، ج: ۱) وغیرہ مقامات میں جو جوابات ہیں وہ ماشاء اللہ بہت مدلل اور قابلِ عمل ہیں لیکن حضرت ایک بات عرض ہے کبھی تبلیغی اجتماع میں مجمع بہت بڑا ہوتا ہے، مکبرین مقرر کرنے کے باوجود پیچھے کی صفوں میں انتشار رہتا ہے، گاہے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی خراب ہو جاتی ہیں، ایسی ضرورت کے موقعہ پر اگر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نماز جیسی اہم عبادت تو وہی سلف صالحین کے سادہ اور بابرکت طریقہ کے مطابق ادا کی جائے، مذکورہ صورت میں امام کے بجائے امام کے قریب رہنے والا مکبر؛ آلہ مکبر الصوت کا استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے اور یہ طریقہ اختیار کرنے سے جو تکلیف اور شکایت ہے وہ دور ہو جائے گی اور تکلفات سے بچیں اور اس طرح استعمال کریں کہ جگہ نہ رکے، آج کل چھوٹا سا مائک بھی ملتا ہے جو گریبان یا گلے میں ڈال لیا جاتا ہے وہ استعمال کریں، فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ، کتاب الصلوٰۃ، متفرق الصلوٰۃ: ۶/۳۷)

علاوہ ازیں! مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، مفتی سید مہدی حسنؒ صاحب، مفتی سعید احمدؒ صاحب (مفتی اعظم مظاہر علوم سہارنپور) مفتی محمود حسن گنگوہیؒ صاحب (صدر مفتی دار العلوم دیوبند) مفتی سید محمد میاںؒ صاحب (مدرسہ امینیہ دہلی) مفتی محمد یحییٰؒ صاحب (مظاہر علوم سہارنپور) مفتی مظفر

حسینؒ صاحب، مفتی عبد العزیزؒ صاحب، مفتی محمد شفیعؒ صاحب (مفتی اعظم پاکستان) وغیرہم سب اکابرین لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز کے قائل ہیں لیکن احتیاطاً اسپیکر کے بغیر مکبرین کی ترتیب پر نماز کا فتویٰ دیتے تھے۔ان حضرات کی تفصیلی فتاویٰ جات فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

الغرض: نماز میں امام کی قراءت کی آواز مقتدیوں تک پہنچنے کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں فقہی کتب میں واضح طور پر موجود ہے کہ بس امام کی حالت مقتدیوں پر واضح رہنی چاہیے، چاہے امام کو دیکھ کر ہو، یا امام کی آواز سن کر ہو، یا مکبرین کی آواز سن کر ہو، بہرصورت نماز درست ہو جائے گی۔

یہی حکم خطبہ جمعہ کا ہے کہ حاضرین مجلس جن کے سامنے خطبہ شروع ہو جائے تو اُن کے لیے امام کی آواز اُن تک پہنچنے کی صورت میں خطبہ کو سننا واجب ہے اور آواز نہ پہنچنے کی صورت میں امام کی طرف متوجہ رہنا ضروری ہے، آواز نہ آنے کی صورت میں اُن کی نماز جمعہ بلا کراہت درست ہے۔اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ خطبہ کا درجہ شریعت میں مفتی بہ قول کے مطابق وعظ ونصیحت وتذکیر کا نہیں ہے کہ ہر ہر فرد تک اس کی آواز کا پہنچنا ضرور بالضرور پایا جائے، اگر یہ بات ہوتی تو خطبہ جمعہ عربی زبان کی بجائے ہر ہر قوم کی اپنی زبان میں مشروع ہوتا، جبکہ ایسا نہیں ہے، خطبہ کا عربی زبان میں ہی ہونا ضروری ہے، چاہے عجمیوں کو اس کی سمجھ آئے یا نہ آئے اور اس کی آواز مقتدیوں کو آئے یا نہ آئے، کتب فقہیہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر کوئی خطبہ کے دوران سوتا رہا، یا اس تک آواز نہ پہنچی، تب بھی اُن کی نماز جمعہ درست ہے چنانچہ! اس سے ہی یہ بات قرین قیاس ہے کہ زمانہ قدیم میں محدثین عظام وائمہ کرام کے بڑے بڑے مجمعوں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کی ادائیگی کے وقت خطبہ بغیر مکبر کے ایک ہی ہوتا تھا، کیوں کہ خطبہ کی آواز تمام حاضرین تک پہنچانا ضروری تھا ہی نہیں۔ ہاں! یہ عمل سنت ضرور ہے کہ امام کے خطبہ کی آواز حاضرین تک پہنچے، سو اس امر کیلئے اگر اسپیکر استعمال کرنے کے دو فائدے ہیں، ایک: حاضرین تک خطبہ کی آواز پہنچ کر سنت پر عمل ہو جائے گا، دوسرا: دوران خطبہ کسی اور کام میں مشغولیت سے بچ کر حاضرین کراہت تحریمی کے گناہ سے بچ جائیں گے۔

خلاصہ کلام! یہ کہ تبلیغی مراکز میں اور اجتماعات میں اسپیکر کے بغیر جو نمازیں پڑھائی جارہی ہیں اور اس کے لیے تکبیر کہنے والوں کا ایک منظم نظام قائم کیا گیا ہوتا ہے، وہ بالکل درست، احتیاط کے عین مطابق اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین ہے اور اسی طرح خطبہ جمعہ کا سپیکر پر ہونا بھی بلا کراہت درست ہے۔

(آخری قسط) مفتی ذاکر حسن نعمانی
استاذ حدیث وتخصص جامعہ عثمانیہ پشاور

بخارا، سمرقند اور ترمذ کا علمی، روحانی اور معلوماتی سفر

سمرقند، بخارا، تاشقند اور ترمذ وغیرہ کے علماء، فقہاء اور محدثین کے تذکرے اجمالاً کچھ نہ کچھ تو ذہن میں تھے، لیکن ازبکستان کے دورہ کے بعد یہاں کے فقہاء کے تفصیلی حالات جاننے کا شوق پیدا ہوا، الحمداللہ بیت اللہ شریف کے اعتکاف کے دوران علامہ عبد الحی لکھنوی کی کتاب الفوئد البھیہ کے مطالعے کے لئے کچھ وقت ملا۔اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ احناف کے اصول فقہ اور فقہ کے سدابہار درخت کی مضبوط جڑیں ازبکستان میں ہیں اور اس کی ثمر آور شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔اس لیے جی چاہتا ہے کہ آئندہ قسط میں ازبکستان کے چند بڑے بڑے فقہائے کرام کا تذکرہ سے قارئین کرام کا دیدہ و دل ٹھنڈا کروں۔

سرزمینِ ازبکستان کے بعض فقہاء کا تذکرہ

ازبکستان فقہاء، محدثین اور اصول فقہ کے ماہرین کی سرزمین ہے، اس سرزمین میں بہت بڑے بڑے ایسے فقہاء پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے فقہ اور اصول فقہ میں بڑی اہم کتابیں لکھی ہیں، جن پر فقہ حنفی کی بنیادیں قائم ہیں، فقہ حنفی کے مطابق فتوی دینے والے مفتی حضرات اس مقدس سرزمین کے فقہاء کے اقوال اور آراء سے ہرگز بے زار نہیں ہو سکتے، ان کی فقہی تحقیقات کو پوری دنیا کے احناف نے قبول کیا ہے، اس سرزمین کے فقہاء کے تعارف کے لیے صرف تین کتابوں کا تذکرہ کرتا ہوں:

(۱)الفواھد البھیة فی تراجم الحنفیة لامام ابی الحسنات عبدالحی الکھنوی (۲)الجواھر المضیة فی طبقات الحنفیة لامام المحدث محی الدین ابی محمد عبدالقادر ابن ابی الوفاء القرشی الحنفی (۳)القند فی ذکر علماء سمرقند لنجم الدین عمر بن احمدا لنسفی

محمد بن محمد بن عبدالله بن عبدالمجید

محمد بن محمد بن عبداللہ بن عبدالمجید بخارا کے قاضی تھے، خراسان کے امیر نے ان کو وزارت سونپی اور ۳۴۴ھ میں شہادت پائی۔مرو میں علی رجا محمد بن حمدویہ سے حدیث کی سماعت کی، انہوں نے احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی ہے، خراسان کے ائمہ اور حفاظ نے محمد بن محمد سے

حدیث کی سماعت کی ہے۔ المختصر ، المنتقی اور الکافی ان کی تصانیف ہیں۔ کتاب الکافی اور کتاب المنتقی امام محمدؒ کے مذہب میں اصول کی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

محمد بن الفضل ابوبکر القفلی الکماری البخاری

کمار بخارا کا ایک قریہ ہے، محمد بن الفضل ابوبکر القفلی الکماری بخارئی کے جلیل القدر معتمد فی الروایۃ ہیں، درایت میں مقلد ہیں، بڑے بڑے ائمہ بلاد نے ان کی طرف سفر کیا ہے، فتاویٰ کی مشہور کتب ان کے اقوال اور فتاویٰ سے بھرے پڑے ہیں، انہوں نے الاستاذ البندمونی سے فقہ حاصل کی، ان کے استاذ ابوحفص الصغیر ہیں، ان کی سن وفات ۳۸۱ھ ہے۔

محمد بن عمر بن محمد ظهير الدين نوحابازی

نوحاباز بخارا کا ایک قریہ ہے، محمد بن الفضل ابوبکر القفلی الکماری البخاری کان شیخا عالما فقیھاعارفا بالمذھب ، شمس الدین الکردی سے تفقہ حاصل کیا، مختلف علوم میں ان کی تصانیف ہیں مثلاً کشف الابھام فی رفع الاوھام، کشف الاسرار فی اصول الفقہ قابل ذکر ہیں، دمشق آئے اور بغداد میں درس دیا، سن پیدائش ۶۱۶ھ جب کہ سن وفات معلوم نہیں۔

ابراھیم بن یوسف بن میمون بن قدامۃ البلخی

کان شیخا امام کبیرا ، شیخ زمانہ لزم ابایوسف حتی برع باکمال بننے تک ابویوسف کے ساتھ رہے۔ سفیان سے روایت کرتے ہیں، امام مالکؒ سے ایک حدیث کی روایت کی ہے، عن نافع عن ابن عمر کل مسکر خمر و کل مسکر حرام۔ جب امام مالک کے پاس آئے تو وہاں قتیبہ بن سعید حاضر تھے، انہوں نے امام مالک سے فرمایا کہ اس کا ارجاء کا عقیدہ ہے تو امام مالک نے مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا، اس لیے امام مالک سے صرف ایک حدیث سنی، ۲۳۱ھ میں انتقال فرمایا۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن یوسف امام صاحب کے شاگردوں میں بڑے فقیہ تھے، مذہب میں تفقہ کے بعد حدیث کی طلب میں لگ گئے۔ وکیع اور ابن عیینہ کو بھی انہوں نے پایا ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ ظاہر میں مرجیہ تھے لیکن باطن میں عقیدہ اہل سنت کا تھا۔ یہ بات بھی ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ذکر کی ہے۔

<u>نوٹ:</u> بلخ خراسان کا بلد تھا، ۳۱ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن عامرؓ کو خراسان فتح کرنے کا حکم دیا۔ آج کل بلخ افغانستان میں مزار کا حصہ ہے، ایک زمانہ میں ہند کی ابتداء بلخ سے ہوتی تھی، ہند اور سندھ دو بھائی تھے۔

محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن محمود السمرقندی البخاری

بڑے شیخ اور متبحر عالم تھے۔ سن ۶۷۵ ھ میں پیدا ہوئے، مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مختلف بلاد کا سفر کیا، ماردین میں اقامت اختیار کی، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی کا کام موت تک جاری رکھا، ۷۲۱ھ رمضان میں انتقال فرمایا، ان کی مشہور کتاب "عمدۃ لطالب لمعرفۃ المذاهب" ہے۔ اس میں مذاہب اربعہ، مذہب داؤد اور مذہب شیعہ کا ذکر ہے۔

محمدبن عبدالرحمن ابوعبدالله الزاهد البخاری

ان کے استاذ الجمال ابی نصر احمدبن عبدالرحمن الریغدمونی ہیں، بڑے عالم، فقیہ، اصولی اور مفتی تھے، انہوں نے ایک تفسیر لکھی ہے، جس کی ہزار جلدیں تھیں، ۵۴۶ ھ میں ان کا انتقال ہوا، صاحب ہدایہ کے مشائخ اور اساتذہ میں سے ہیں۔

عبدالعزیز بن عبدالرزاق المرغینانی

ان کے چھ بیٹے تھے اور ہر ایک میں فتویٰ اور تدریس کی صلاحیت تھی۔ جب اپنے گھر سے اپنے بیٹوں کے ساتھ نکلتے تو لوگ کہتے کہ سات مفتی ایک گھر سے نکل آئے۔ ۴۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ دو بیٹوں نے زیادہ شہرت پائی: (۱) ابوالحسن ظہیر الدین علی بن عبدالعزیز، (۲) شمس الائمہ محمود الاوزجندی۔ صاحب فتاویٰ قاضی خان کے جد (دادا) ہیں۔

علی بن الحسین رکن اسلام ابوالحسن سغدی

سُغد سمرقند کا علاقہ ہے۔ بہت بڑے امام، فاضل، فقیہ اور مناظر تھے۔ بخارا میں سکونت اختیار کی، قاضی اور مفتی تھے۔ حنفیت کی سرداری ان پر ختم تھی۔ جدید مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، فتاویٰ قاضی خان اور دیگر مشہور کتب فتاویٰ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ شمس الائمہ سرخسی سے فقہ حاصل کی، اور شرح السیر الکبیر ان سے روایت کی۔ ۴۶۱ھ میں بخارا میں انتقال فرمایا۔ سمعانی فرماتے ہیں: كان اماما فاضلامناظرا سمع جماعة، النتف فی الفتاویٰ اور شرح الکبیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔

محمد بن الحسین بن محمد الحسین البخاری

بکر خواہرزادہ کے نام سے مشہور ہیں۔ بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ ماوراء النہر کے بڑے لوگوں میں تھے۔ المختصر، التجنیس اور مبسوط بکر خواهرزاده ان کی مشہور کتب ہیں، خواہرزادہ کے ساتھ دو بندے مشہور ہیں ایک یہی قاضی ابی ثابت محمد بن احمد البخاری کی بہن کے بیٹے

اور یہ مقدم ہیں ان کا انتقال ۴۳۳ ھ ہے دوسرے خواہر زادہ ان سے متاخر ہیں ، امام بدر الدین محمد بن محمود الکردی ابن اخت شمس الائمہ محمد بن عبدالستار الکردی ہیں ان کا انتقال ۶۵۱ ھ میں ہوا ہے۔

محمد بن احمد ظهير الدين البخاری

بخارا کے محتسب تھے ، فتائ ظہیریہ انکی طرف منسوب ہے۔ یکتائے روزگار عالم تھے ، اصول وفروع کے ماہر تھے ، اپنے باپ احمد بن عمر سے علم حاصل کیا۔ خوب محنت کی ۔ظہیر الدین ابی المحاسن بن علی المرغینانی کی خدمت میں پہنچ گئے ، وہ انکا اکرام کرتے تھے اوراپنے شاگردوں پر فوقیت دیتے تھے

علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی صاحب الهدایه

آپ جامع العلوم و الفنون ، محقق ، مدقق ، امام ، فقیہ ، حافظ ، محدث ، مفسر ، زاہد ، فاضل ، اصول وفروع کے ماہر ، شاعر اور ادیب تھے ، آنکھوں نے آپ جیسا علم وادب کسی میں نہیں دیکھا۔ فقہ اور فقہ حنفی میں ید طولی رکھتے تھے ، مشہور ائمہ سے تفقہ حاصل کیا۔ جن میں بطور خاص مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مفتی الثقلین نجم الدین ابوحفص عمر النسفی (۲) صدر الشهيد حسام الدين عمر بن عبدالعزيز (۳) ضياء الدين محمد بن الحسين البنديجی (صاحب التحفه علاء الدين السمرقندی کے شاگرد) (۴) ابوعمر عثمان بن علی البيكندی (شمس الائمہ السرخسی کے شاگرد) (۵) حدام الدين احمد بن عبدالرشيد البخاری (صاحب خلاصۃ الفتاوی کے والد) ......اہل عصر آپ کے علم وفضل کا اقرار کرتے تھے ، کتاب المنتقی ، نشر المذهب ، التجنيس والمزيد ، مناسك الحج ، مختارات ، النوازل ، كتاب الفرائض آپ کی مشہور تصنیفات ہیں ۔آپ نے بداية المبتدی لکھی پھر اس کی شرح کفاية المنتهی لکھی پھر اس کو مختصر کر کے ہدایہ لکھی ۔ جو احناف کی جان اور سب کا مرجع ہے ۔آپ کا سن وفات ۵۹۳ ھ ہے۔

علی بن محمد بن اسماعیل بن احمد المعروف بشيخ الاسلام السمرقندی الاستيجابی

استیجاب تاشقند اور سیرام کے مابین ایک گاؤں ہے ۔علی بن محمد بن اسماعیل بن احمد المعروف بشیخ الاسلام السمرقندی الاستیجابی ۴۵۴ھ میں پیدا ہوئے ، سمرقند میں سکونت اختیار کی ۔ امام اعظم کے مذہب کو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے ، علم کی اشاعت میں طویل عمر صرف کی ۔۵۳۵ ھ میں سمرقند میں وفات پائی ۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے فقہ پڑھی ، صاحب ہدایہ بھی ان کے شاگرد ہیں ۔ طحاوی کی مختصر اور مبسوط شروح لکھی ہیں۔

مولانا محمد اسلام حقانی

تعارف وتبصرہ کتب

- **تاریخ امت مسلمہ** مؤلف: مولانا محمد اسماعیل ریحان

ضخامت: ۳۸۰۰ صفحات (۴ جلد) ناشر: المنہل پبلشر کراچی

تخلیق انسان سے ہی تاریخ کا آغاز ہوا ہے، اس میں پیدائش آدم علیہ السلام سے تا ایں دم ہزاروں سالوں کے واقعات اور حالات قلمبند ہوتے ہیں، تاہم نزول قرآن کے ساتھ تاریخ کا زریں نقطہ آغاز ہوا، تاریخ کو علم کا درجہ، نمایاں مقام اور مرتبہ عطاء ہوا، مسلم مورخین نے اپنی اجلی تاریخ کی بنیاد صحتِ روایت پر رکھی جو من گھڑت روایات اور واقعات پاک ہے اور علوم کے اصناف میں یہی علم تاریخ اسلام کہلاتا ہے جس میں چودہ صدیوں کے واقعات، حادثات، حالات اور نشیب وفراز پر روشنی پڑتی ہے اور یہ ایسا سرچشمہ اور گزرے ہوئے عہد کا ایسا آئینہ ہے جس کے ذریعے ہم انبیائے کرام علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں، اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں، مسلم حکمرانوں کے طرز جہاں بانی اور اقوام عالم کے طرز تمدن سے واقف ہوتے ہیں، تاریخ کے مطالعہ سے حوصلوں کو بلندی، گم کردہ راہوں کو بصیرت، عزائم میں پختگی، حزم واحتیاط کا درس اور قوموں کے عروج وزوال کی راہیں متعین ہوتی ہیں، اقوام عالم میں صرف مسلم امت ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سب سے زیادہ روشن تاریخ اور شاندار ماضی رکھتی ہے، تاریخ اسلام ایک مستقل علم اور فن ہے جو اپنے پہلو میں ہزاروں بالغ نظر اور عالی مقام مؤرخین کی لکھی ہوئی کتابوں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ رکھتا ہے، جو دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہے، تاریخ کی کئی جہات اور پہلو ہیں اور ہر پہلو پر اتنا کچھ لکھا جاچکا ہے جس کی مجموعی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اس ذخیرہ کتب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اردو زبان بھی تاریخ اسلام پر لکھی گئی کتابوں سے مالا مال ہے، تاہم ہر مورخ نے تاریخ کو اپنے اپنے انداز اور اسلوب سے لکھنے کی کوشش کی ہے، سہولت پسندی کے اس دور میں ایک مستند، جامع مگر مختصر تاریخ مرتب کرنے کی تشنگی محسوس کی جارہی تھی، جس میں مستند تاریخی روایات اور واقعات کا ذخیرہ جمع ہو اور ساتھ مستشرقین اور دیگر معاندین اسلام کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا ازالہ بھی ہوتو

ضرورت اس امر کی تھی کہ سلف صالحین کی منہج پر ایک تاریخی دستاویز مرتب کیا جائے، ایسی جامع کاوش در حقیقت تاریخ اسلام کی کتابوں کا عطر نکالنے کے مترادف اور بے حد دشوار اور نہایت مشکل کام تھا لیکن مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب نے شب وروز محنت کرکے نہایت جانفشانی کیساتھ ''تاریخ امت مسلمہ'' لکھ کر اس تشنگی کو دور کیا اور اس ضرورت کو پورا کرکے اردو زبان میں ایک مستند، جامع اور مختصر کتاب مرتب کرنے کا فریضہ سرانجام دیا، مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب عصر حاضر کے ایک مشہور اور بلند پایہ مؤرخ اور عرصہ سے جامعۃ الرشید کراچی میں تاریخ اسلام اور الغزو الفکری جیسے موضوعات کے استاد رہے، روزنامہ ''اسلام'' اور ہفت روزہ ''ضرب مومن'' اور دیگر مختلف مجلات میں وقتاً فوقتاً ان کے مضامین اور کالم بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، موصوف جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اس کا مکمل احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی تحقیق پر لگن اور دلچسپی سے کام کرتے ہیں، ان کی تالیفات اور تاریخی کتب دعوتی اور اصلاحی مقاصد پر مشتمل ہوتی ہیں، عام فہم، سادہ اور سلیس الفاظ میں تاریخ بیان کرتے ہیں، اب تک موصوف کی تاریخ پر کئی اہم کتابیں اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں، جس میں ''سلطان صلاح الدین ایوبیؒ''، ''تاریخ افغانستان''، ''سلطان جلال الدین خوازم'' شاہ قابل ذکر ہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''تاریخ امت مسلمہ'' بھی موصوف کی ایک ایسی تاریخی کاوش ہے جس میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اب تک کی تاریخ کو انتہائی سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کیا اور اختصار اور استناد کو مقدم رکھ کر غیر مستند روایات سے اجتناب کیا ہے، اس تاریخی دستاویز کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہ نے پسند فرمایا اور اس پر علمی و معلوماتی مقدمہ بھی لکھا، یوں اس مقدمہ نے اس کاوش کے حسن کو دوبالا کیا، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ نے بھی اس کتاب پر تقریظ لکھی اور اس عظیم خدمت کو سراہا، اس کے علاوہ عظیم محقق حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ اور حضرت مولانا عبدالمعبود مدظلہ نے اس پر مستقل مضامین لکھ کر اس کتاب اور اس کے مرتب کو داد تحسین پیش کیا ،''تاریخ امت مسلمہ'' اردو زبان میں تحریر کی جانے والی ایک جامع تاریخ اور علمی شاہکار ہے، جو درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے، سیرت نبویہ اور سیرت صحابہ کے بارے میں ناقابل اعتماد مواد سے پاک، حضرت آدم علیہ السلام سے دورِ حاضر تک اولین مفصل اردو تاریخ، علم تاریخ کے تعارف ومبادیات، تاریخ کی تحقیق وتنقیح کے قواعد وضوابط، تاریخی روایات کی اصول محدثین کے مطابق تحقیق وتنقیح، مغازی اور مشاجرات کی روایات پر نہایت مفید تشریحی مباحث، علم رجال کی روشنی میں روایات

کی اسناد کا جائزہ، اہل سنت کے اجماعی عقائد ونظریات کی تائید میں مضبوط عقلی ونقلی دلائل، مختلف فرقوں کے ظہور پر تحقیق اور ان کے غلط عقائد ونظریات پر اصولی تنقید، مشکوک واقعات کا سنداً ومتناً، روایتاً ودرایتاً تجزیہ، دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے واقعات کی تفصیلات، اسلامی تاریخ کی تمام بڑی جنگوں اور معرکوں کا مفصل تذکرہ، قابل فخر مسلم خلفاء، سلاطین اور مشاہیر کے خلاف باطل فرقوں، سیکولر مؤرخین اور مستشرقین کے پروپیگنڈے کی مدلل تردید وازالہ، تاریخ سے حاصل شدہ عبرتوں، نصیحتوں اور اسباق کا موقع بہ موقع ذکر، رواں دواں سلیس اردو، دلچسپ اندازِ تحریر، حواشی میں نہایت مفید علمی ابحاث، عام فہم، سادہ وسلیس، الغرض! یہ کتاب بہت سارے خصوصیات سے مالا مال حسین تاریخی گلدستہ ہے، اب تک اس کاوش کی چار جلدیں منظر عام پر آ چکی ہے۔

جلد اول تاریخ انسان اور زمانہ سے بحث کرتی ہے اور آغاز میں علم تاریخ کے تعارف اور مبادیات پر مشتمل مقدمہ جس میں علم تاریخ کی مبادیات، تاریخ کے معنی ومفہوم، موضوع، علم تاریخ کی اہمیت وافادیت، تاریخ کی اقسام، تاریخ نگاری کے مراحل، ماخذ، تاریخ نویسی کے اصول، آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیائے سابقین کے مختصر مگر مستند حالات، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ خلفائے راشدین، امہات المومنین، عشرہ مبشرہ اور دیگر کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال مفصل ذکر، جلد دوم کا آغاز تاریخ کی تحقیق اور تنقیح کے قواعد وضوابط، تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کے اصول اور صحیح وسقیم کی پہچان کے طریقوں پر مبنی بحث سے ہوتا ہے، نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ مشاجرات صحابہ کا تفصیلی تذکرہ، حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کے واقعات سے لے کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت تک مفصل اور مستند حالات، حضرت علی المرتضی، حضرت حسن، حضرت معاویہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی سیرت اور کارنامے، حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی جدوجہد کا اصول محدثین، اسماء الرجال اور فقہ کی روشنی میں محققانہ جائزہ، جلد سوم اموی اور عباسی خلفاء کے تذکرے اور سقوطِ خلافت عباسیہ بغداد کی تاریخ پر مشتمل ہے، جلد چہارم تاریخ صقلیہ، صلیبی جنگیں، یورشِ تاتار، دولت ایوبیہ، دولت ممالیک، تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام، تاریخ برصغیر، سلطنت عثمانیہ، دور تاسیس واستحکام، دولت اسلامیہ اندلس، دور تاسیس تا دور مرابطین و موحدین، امت مسلمہ کی فکری ونظریاتی رہنمائی کرنے والے ائمہ مجددین، فقہاء اور صوفیاء کی جدوجہد کا تذکرہ، بقیہ جلدوں پر تیزی کیساتھ کام جاری ہے۔

یہ کتاب تاریخ کی دائرہ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے، اس وقت مسلم امہ کے نوجوانوں کو اپنے اسلاف کی تاریخ سے واقف ہونا اشد ضروری ہے تاکہ ان کا اپنے اسلاف پر اعتماد بحال رہے

اور ان کی زندگیوں کے روشن پہلو اور کارنامے ان کیلئے مشعل راہ ہو یہ اسلئے کہ جو قوم اپنی تاریخ یاد نہیں رکھتی وہ ہمیشہ احساس کمتری اور غلامی میں گرفتار ہوجاتی ہے اور اپنے اقدار و روایات کو پس پشت ڈال کر غیروں کی تہذیب اپنا کر خوش ہوتی ہے لہٰذا اگر کوئی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں یہ مولانا اسماعیل ریحان صاحب کی کئی سالوں کی شب و روز کی محنت کا ثمرہ اور ہزاروں صفحات کا نچوڑ ہے، اللہ تعالیٰ اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے (آمین)

- افادات مالکیہ — تالیف: حضرت مولانا مفتی فضل امین خان

ضخامت: ۴۰۰ صفحات — ناشر: شعبہ نشرواشاعت سلسلہ چشتیہ اشرفیہ زیدہ صوابی

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالمالک صاحب مدظلہ بزرگ عالم دین، طریقت و شریعت کے جامع، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قدیم فاضل، اکابر کے علوم و معارف کے امین اور کئی ساری نسبتوں کے حامل ہیں، آپ کے علوم و معارف اور عظیم خانوادہ کا تذکرہ حضرت مولانا مفتی فضل امین خان نے مرتب کیا ہے۔

زیرتبصرہ کتاب مؤلف موصوف نے ایک ایسے عظیم خاندان کا تذکرہ لکھا ہے جس کا اس علاقہ پر بڑے علمی، عملی، ملی اور سیاسی احسانات ہیں اس خاندان میں تحریک آزادی کے عظیم سپہ سالار اور شیخ الہند کے قافلہ کا نڈر سپاہی حکیم عبدالمقتدر صاحب اور تصنیف کے میدان کے عظیم شہسوار شیخ عبدالواحد صاحب جنہوں نے ہزاروں صفحات میں علمی نوادرات قلم بند کئے ہیں اور تصوف کے میدان کے سراج السالکین شیخ عبدالمالک صاحب جیسی عظیم شخصیات پیدا ہوئیں، جنہوں نے علم و عمل اور خدمت دین کے حوالے سے بے شمار کارنامے سرانجام دیئے۔مؤلف نے شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالمالک مدظلہ کے ابتدائی حالات، تعلیم و تربیت، تحصیل علم و فراغت، جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں دورہ حدیث اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کا حضرت مولانا عبدالمالک مدظلہ پر خصوصی شفقت اور توجہات، بیعت وارشاد، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور تصوف و سلوک کے حوالے سے خدمات کا ذکر فرمایا ہے، سلسلہ چشتیہ کے اسباق و معمولات، مناجات بھی کتاب کا حصہ ہیں، زیدہ صوابی کا ایک مردم خیز قصبہ ہے، کتاب کے آخر میں اس گاؤں کے مشاہیر علماء کا تذکرہ بھی شامل ہے، مؤلف نے نہایت جانفشانی سے عنوانات قائم کرکے اپنے موضوع کو سمیٹا ہے، البتہ دوسری اشاعت میں اردو ادب اور املائی غلطیوں کی تصحیح ہو جائے تو کتاب کا حسن دوبالا ہوگا، اکابر کا تذکرہ باعث برکت ہوتا ہے اس لحاظ سے کتاب ہر پڑھے لکھے مسلمان کو مطالعہ کرنا چاہیے۔ (مبصر: حبیب اللہ حقانی)